سورۃ والعصر کی انقلاب آفریں اور ایمان افروز تفسیر

پیغامِ ہدایت



صاحبزادہ غلام بشیر نقشبندی

فاضل علوم اسلامیہ ایم او ایل گولڈ میڈلسٹ

مکتبہ جمال کرم لاہور

سورۃ والعصر کی انقلاب آفریں اور ایمان افروز تفسیر

پیغامِ ہدایت

جمالِ کرم

صاحبزادہ غلام بشیر نقشبندی

فاضل علوم اسلامیہ ایم او ایل گولڈ میڈلسٹ

مکتبہ جمالِ کرم

9۔ مرکز الاویس، دربار مارکیٹ لاہور

Ph:042-7324948

MoB: 0321-4300441

نام کتاب .... پیغام ہدایت (تفسیر سورۃ العصر)

مصنف .... علامہ صاحبزادہ غلام بشیر نقشبندی

قیمت .... 50 روپے

تعداد 1000

زیر اہتمام

ایم احسان الحق صدیقی

☆ ☆ ☆

جنوری 2005ء

ناشر

مکتبہ جمال کرم لاہور

ملنے کے پتے

مکتبہ جمالِ کرم

- 9. مرکز الاویس ، دربار مارکیٹ لاہور 042-7324948
- جامعہ صفۃ المدینہ شاہ جہانگیر روڈ گجرات
- دربار عالیہ باؤلی شریف تحصیل سرائے عالمگیر گجرات

پہلی بات

شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے وہ نہیں چاہتا کہ انسان کامیاب ہو۔ لہذا وہ انسان کو گمراہی میں مبتلا رکھتا ہے۔ اور کسی ایسی چیز کی طرف نہیں آنے دیتا جس سے انسان کو ہدایت ملنے کا امکان ہو۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ شیطان ایسی کتاب آپ کے ہاتھ ہی نہیں لگنے دے گا اور اگر ہاتھ لگ ہی گئی تو پڑھنے نہیں دے گا اور اگر آپ نے اسے پڑھ لیا تو وہ سمجھنے نہیں دے گا اور اگر آپ نے اسے سمجھ لیا تو وہ عمل نہیں کرنے دے گا کیونکہ وہ آپ کا ازلی دشمن ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کامیاب ہوتے ہیں یا آپ کا دشمن !!!

اللہ کریم ہم سب کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھے اور اپنے ذکر و بندگی اور اپنے پیارے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت میں زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فہرست

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انتساب

بھٹکی ہوئی انسانیت تک پیغامِ ہدایت پہنچانے کے لئے طائف کے سفر میں پتھروں کے جواب میں دعاؤں کے پھول عطا کرنے والے کریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں

یہ کتاب بصد نیاز پیش ہے

میری قسمت سے الٰہی ! پائیں یہ رنگِ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں اُن کے دامن کے لئے

غلام بشیر نقشبندی

حمد باری تعالیٰ

دیکھتا ہوں جہاں ، تو ہے
سوچتا ہوں کہاں ، تو ہے

ماورائے لامکاں تو ہے
اور میری جاں میں جاں تو ہے

دل پہ غم میں نہاں تو ہے
چشمِ پُر نم سے عیاں تو ہے

لب بلبل کی فغاں تو ہے
پپیہا بولے کہ " پی کہاں " تو ہے

بنا دیا ہے بشیر کو اپنا
مجھ پہ کتنا مہرباں تو ہے

☆......☆......☆......☆......☆

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

محبوب کا نگو ہے معطر قدم قدم
پھیلی ہے بوئے زلف معنبر قدم قدم

باغ جناں سے لایا ہے روح الامین جسے
چھڑکا ہے قدسیوں نے وہ عنبر قدم قدم

آئیں جو آپ محفل حسن خیال میں
پلکوں سے بچھاؤں گل تر قدم قدم

ہاں کوچۂ رسول کے منگتوں کے سامنے
باندھے ہوئے ہیں ہاتھ تو نگر قدم قدم

طیبہ کو جب بشیر ہوا عازم سفر
جوش جنوں ہوا میرا رہبر قدم قدم

☆......☆......☆......☆......☆

تقریظ

حرف اعزاز

از: مفکر اسلام علامہ سید ریاض حسین شاہ

سربراہ جماعت اہلسنت پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بلجیم میں ایک دوست کے گھر میں یادوں کے دریچے کھولنے میں ذہنا مصروف تھا دفعۃً دماغ کے پردے پر ایک نوجوان عالم دین کی تصویر ابھری اسے روحانی اتفاق کہیے جس گھر میں میرا قیام تھا وہ لوگ مذہبی عقیدتوں کے خاکوں میں اسی عالم دین کی سوچوں کا رنگ وآہنگ رکھتے تھے، صاحبزادہ غلام بشیر نقشبندی گجرات کے "مذہبی ادب" کا ایک خوبصورت کردار ہیں، تحقیق وجستجو ان کا روحانی شعار ہے، ادب ومحبت ان کی فکری جولانگاہ ہے، دھیمے انداز کا جذباتی واعظ اور جذبوں سے حنوط کیا ہوا دھیما خطیب لکھنے میں بے حد محتاط اور ورادی ء احتیاط میں بے دھڑک مبلغ صاحبزادہ غلام بشیر نقشبندی کی زندگی کے مختلف زاویے ہیں۔

علامہ صاحب نے "سورۃ العصر" کی تفسیر پندو نصیحت کے اسلوب میں قلم بند کی ہے، انداز میں بہاؤ اور سلاست فکری وقلمی ریاضت کی محکم برہان ہے لیکن میں سمجھتا ہوں وہ شخص جو "صاحبزادہ غلام بشیر نقشبندی" کی شخصی شناخت سے محروم ہے اس کتاب کو پڑھتے ہوئے اسے وہ مزا نہیں آ سکتا، جو علامہ موصوف کے "شخصی حسن" کے دائرے میں قدم رکھنے کے بعد کتاب پڑھنے میں محسوس ہوتا ہے۔

لکھنے بولنے والوں کی تندخوئیاں اور تنگ مزاجیاں تو لوگوں کو پاس نہیں پھٹکنے دیتیں،

رخشِ علم پر بیٹھنے والے حریم رسالت کے ادب سے بھی بعض اوقات محروم ہو جاتے ہیں، قلم پکڑنے والے جیسے تلوار کے دستے پر محکم گرفت رکھتے ہیں گویائی کا کمال اور ذہنی انتقال کی صنعت سے آشنا علما نرم و نازک صوفیانہ خیالات کے اکثر قاتل ہوتے ہیں، تکلف کے جبے پہننے والوں کو فقرِ غیور سے کیا واسطہ لوگ تو علم کی تجارت کرتے ہیں جاہ و عزت کے مرض جنوں میں مبتلا لوگوں کو ادب سے کیا واسطہ۔

الحمدللہ! صاحبزادہ غلام بشیر نقشبندی، تا حال ان چاؤ چونچلوں سے محفوظ ہے مجھے شہر دلبری کے ایک دو وعظ فروشوں کو دیکھنے کا موقع ملا، کرگسوں کے متعفن ماحول میں شاہینوں کی زندگی بسر کرنا کرامت سے کم نہیں۔

سورۃ العصر" کی تفسیر پڑھتے ہوئے قاری کو اچھی طرح یہ احساس ہو جاتا ہے کہ زندگی کے معطی و خالق نے اسے نکما پیدا نہیں کیا بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ دل کی تاروں پر اعتراف کا یہ نغمہ گونجنے لگ جاتا ہے۔

میری ہر سوچ کا محور تو ہے
میرے اندر میرے باہر تو ہے
مجھ کو تسلیم ہے مالک میرے
میرا اول میرا آخر تو ہے

صاحبزادہ غلام بشیر نقشبندی کی تحریر صرف فکر ساز نہیں عمل کی جولانگاہ میں آمادہ سعی کرنے کا وسیلہ نظر آتی ہے گویا وہ اپنے ہر مخاطب کو جھنجھوڑتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

ای کہ دستت می رسد کاری بکن
پیش از آں کز تو نیاید ہیچ کار

ایک بات کا تذکرہ نہ کرنا ممکن ہے زیادتی کا پیش خیمہ ہو جائے وہ لوگ جو بولتے ہیں اثر بغیر اور لکھتے ہیں تصوف بغیر ان کا لکھا پائندہ نہیں بن سکتا، موصوف قلم کار کا تعلق چونکہ

ایک خانقاہ سے ہے اس لئے ان کے لفظوں میں نفرتوں کی کاٹ نہیں بلکہ دلوں کو جوڑنے کا دارو ہے شاید انہوں نے اپنے قلم کے زیر استعمال روشنائی میں شہد ملا رکھا ہے۔

چناب کی لہریں جن ٹمیالے ساحلوں سے ٹکراتی ہیں ان کا مردم خیز ہونا فوق از بحث ہے، وزیر آباد میں شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کا علم ساز مرکز گجرات میں پیر سید ولایت شاہ صاحب کا جوہر آفرین آستانہ خاک کے فرش پر مفتی احمد یا خان بدایونی کا بیٹھنا علامہ عبدالنبی کوکب کی جیتی جاگتی خوبصورت تحریریں، بڑا قیمتی سرمایہ تاریخ علم نے کمایا، مسند عدالت پر بھی بہت سے لوگ بیٹھے اور اپنے حصے کی عزت یا ذلت کمائی پاکستان کی تاریخ کا شریف ترین صدر بھی اسی خاک کا پروردہ تھا ایسی تیز، صلصال اور فخار خاک سے فطرت نے ایک اور پیکر تراشا ہے، جس کے اسلوب میں مسلک کا تصلب، ادب کی چاشنی، نظریات کی پختگی، مطالعے کی گہرائی، ضمیر کی زندگی، تصوف کی دانائی بلکہ رواداری، اظہار حق، مروت کی زندہ اقدار کی تحقیط ملی ہے، صاحبزادہ غلام بشیر نقشبندی، نے اگر اسی طرح وقت ضائع کرنے والے واعظوں، علم فروش خطیبوں، قلم سوز لکھیاریوں سے اپنے دامن کو بچالیا اور وقت کی پل صراط پر عزم و ہمت سے چلتے رہے تو امید ہے کہ نقاش فطرت ان کے لئے توفیق و رحمت کے شہ باب کھول دے گا کم از کم ہمیں تو انتظار ہے کہ صاحبزادہ غلام بشیر نقشبندی اور بھی کچھ لکھیں بلکہ لکھتے رہیں، اور تشنگان علم ان کے رشحات قلم سے مستفید ہوتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ توفیق سے نوازے

سید ریاض حسین شاہ

مرکزی ناظم اعلیٰ جماعت اہل سنت پاکستان

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پیش لفظ

تحریر: مفسر قرآن مفتی محمد جلال الدین قادری دامت برکاتہم العالیہ (کھاریاں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم.

قرآن مجید اللہ رب العزت کی وہ مقدس کتاب ہے جو حضور پر نور خاتم الانبیاء سید المرسلین سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ پر آخری مکمل نظام حیات کے لائحہ عمل کے طور پر نازل ہوئی۔ اس کتاب مقدس نے شریعت کو مکمل کر دیا۔ نیز اس کے اوصاف میں یہ امر واضح ہے کہ رہتی دنیا تک انسانوں کی رہنمائی کے لئے غیر متبدل قوانین اور احکام پر مشتمل ہے۔

یہ حقیقت ہے اور اس پر ہمارا ایمان ہے کہ انسانی فلاح کا دارومدار اور بہبود کا انحصار اس کتاب مقدس کے احکام پر عمل کرنے میں ہے۔ ہر دور میں وہی قوم سرفراز رہی جس نے اپنی نجی اور اجتماعی زندگی میں اس کے احکام وقوانین کو نافذ رکھا اور جس نے اس کو پس پشت ڈال دیا، تباہی اور ہلاکت اس کا مقدر بنی۔ مستقبل میں وہی قوم سربلند رہے گی جس نے اس کے فیضان سے راہنمائی حاصل کی۔

علماء اعلام اور مفسرین کرام قرآن مجید کے قوانین اور احکام کو واضح طور پر بیان کرنے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ اس مبارک جماعت میں مولانا صاحبزادہ غلام بشیر نقشبندی مدظلہ العالی بھی شامل ہیں۔ مولانا موصوف نے سورۃ العصر کے مفاہیم کو احسن پیرائے میں

بیان کیا ہے، انداز بیان آسان اور دل نشیں ہے۔ تفسیری رموز بیان کرتے ہوئے عمل کی ترغیب اس انداز میں دیتے ہیں کہ بوجھ محسوس نہیں ہوتا، ترغیب وترہیب کے انداز میں علماء اور صوفیاء کا حسین امتزاج ہے اور ایسا ہونا فطرتی ہے کیونکہ صاحبزادہ صاحب ایک اعلیٰ علمی وروحانی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس سے خلقِ کثیر نے فیضان حاصل کر کے اپنی دنیوی واخروی زندگی کو سنوارا۔

دعا ہے کہ مولا کریم جل وعلا اپنے محبوب کریم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے صاحبزادہ صاحب کی اس علمی کاوش کو ہمارے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

جمادی الاخری......۱۴۱۷ھ

فقیر محمد جلال الدین قادری عفی عنہ
آف کھاریاں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک تبصرہ

تحریر: فخر العلماء سید عابد حسین شاہ صاحب
فاضل بھیرہ شریف حال مقیم کراچی

اللہ تعالیٰ نے ازل کے روز تمام انسانوں سے پوچھا، الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) سب نے بیک زبان جواب دیا، بلٰی (کیوں نہیں تو ہمارا رب ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے کائنات رنگ و بو کو تخلیق کیا۔ اور انسان کو رونق کائنات بنایا، انسان مقصودِ کائنات تھا لیکن افسوس یہ کائنات کی رنگینی میں کھو کر اپنے خالق کو بھول گیا۔

اللہ تعالیٰ کو انسان سے بڑی محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وعدۂ الست یاد دلانے کے لئے انبیاء کرام کو بھیجا اور ان کے ذریعے اپنا کلام نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء ﷺ کے ذریعے انسانیت کے نام ایک آخری خط بھیجا ہے۔ جس کا نام قرآن حکیم ہے۔ جو ہر دور کے انسان کے لئے پیغامِ ہدایت ہے۔

بیماری جتنی زیادہ ہوگی علاج کی ضرورت بھی اتنی ہی ہوگی۔ اندھیرا جتنا زیادہ ہوگا روشنی کی ضرورت بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ آج کے دور میں ابلیسی قوتیں پوری جدوجہد کر کے انسان کو گمراہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ ایسے میں قرآنی پیغامِ ہدایت کو عام کرنا ہر مسلمان کا ایمانی فرض ہے۔

محترم صاحبزادہ غلام بشیر صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں۔ جنھوں نے نہایت محنت

سے یہ کتاب لکھی ہے، قبلہ صاحبزادہ صاحب نے سورۃ العصر کے متعلق تفصیلی معلومات کے بعد الفاظ کی لغوی و اصطلاحی تشریح کے ساتھ نفسِ مضمون کو نہایت آسان پیرائے میں بیان کیا ہے، ہر مضمون سے متعلق واقعات کو نہایت محبت اور درد و سوز سے لکھا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر ہم قرآن مجید کی صرف ایک سورۃ (سورۃ العصر) پر ہی عمل کر لیں تو یہ ہماری نجات کے لئے کافی ہے۔

کیا ہم ایک سورۃ کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے قابل بھی نہیں؟

سید عابد حسین شاہ
فاضل بھیرہ شریف حال مقیم کراچی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حرفِ محبت

(تعارف مصنف)

ازقلم: عبدالقادر مصطفائی

صاحبزادہ غلام بشیر صاحب کی ولادت یکم اپریل ۱۹۷۰ء کو باولی شریف کے مذہبی و روحانی گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد حضرت قبلہ پیر محمد حسین نقشبندی" کو امیرالسالکین حضرت خواجہ محمد خان عالم کے دربار عالیہ پر سجادہ نشین ہونے کا شرف حاصل تھا۔

صاحبزادہ صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والدین سے حاصل کی۔ بعد ازاں جہلم شہر میں قیام کیا۔ گورنمنٹ جونیئر ماڈل سکول سے پرائمری اور گورنمنٹ ہائی سکول جہلم سے مڈل کا امتحان پاس کیا۔ اس دوران مولانا فضل الٰہی صاحب سے قرآن مجید کا ترجمہ، کریما، نامِ حق، پندنامہ، گلستان بوستان اور عربی صرف ونحو کی ابتدائی کتب پڑھیں۔

۱۹۸۶ء میں دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف میں داخلہ لیا۔ بھیرہ شریف کا دس سالہ نصاب تعلیم مکمل کیا ہے۔ علوم جدیدہ (میٹرک، ایف اے وغیرہ) اور علوم قدیمہ (درس نظامی) کے تمام امتحانات اعلیٰ نمبروں سے پاس کئے ہیں۔ ادیب عربی کے امتحان میں سرگودھا بورڈ میں ٹاپ کیا۔ اسی طرح فاضل عربی کے امتحان میں سرگودھا بورڈ میں اوّل پوزیشن لی اور گولڈ میڈل حاصل کیا۔ حضور قبلہ ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی شفقت اور دیگر اساتذۂ کرام کی تربیت نے صاحبزادہ صاحب پر خصوصی رنگ چڑھایا ہے۔

وعظ و خطابت :

اللہ تعالیٰ نے صاحبزادہ صاحب کو خطابت کا خاص ملکہ عطا فرمایا ہے۔ دورانِ تعلیم کالجز اور مدارس کے تقریری مقابلوں میں اول انعام حاصل کرتے رہے ہیں۔ ۱۹۸۹ء میں جامعہ رضویہ سیٹلائیٹ ٹاؤن راولپنڈی میں ہونے والے کل پاکستان تقریری مقابلہ میں اوّل انعام حاصل کیا۔

بھیرہ شریف دوران تدریس سے ہی گجرات شہر میں جمعہ کی خطابت کا آغاز کیا، منفرد انداز خطابت اور قرآن وحدیث کے نور سے لبریز گفتگو سننے کیلئے تشنگان علم وحکمت گجرات شہر کے علاوہ مختلف مقامات سے فیضیابی کیلئے ہر جمعۃ المبارک کو حاضر ہوتے ہیں۔

خطبہ جمعہ کے ساتھ ساتھ گجرات، جہلم، سیالکوٹ، کھرالی، ڈاڈووالی، ٹانڈہ و دیگر شہروں میں مستقل وغیر مستقل طور پر ماہانہ درس قرآن بھی ارشاد فرمارہے ہیں، رمضان المبارک میں روزانہ نماز فجر کے بعد دیئے جانے والے ''درس بخاری شریف'' سے اپنے من کو اجالنے کے لئے ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے احباب بڑے اہتمام کے ساتھ اس نشست میں شامل ہوتے ہیں علاوہ ازیں صاحبزادہ غلام بشیر نقشبندی صاحب، اندرون وبیرون ملک یکساں مقبولیت وشہرت کے حامل شاید وہ واحد خطیب ہیں جو سال کے 365 دن مصروف بلکہ اکثر اوقات ایک ایک دن میں تین تین جلسوں سے خطاب فرماتے، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا صحیح معنوں میں فریضہ انجام دیتے ہوئے اپنی زندگی کا لحہ لحہ بسر کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں، فی الوقت صاحبزادہ صاحب کراچی، لاہور، پشاور، اسلام آباد، راولپنڈی، سیالکوٹ سرگودھا، اٹک اور دیگر بڑے بڑے شہروں قصبات ودیہات کے علاوہ ناروے سکینڈی نیویا، عرب ممالک، ہندوستان ودیگر ممالک میں تبلیغی ودینی بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب کے ساتھ ساتھ برصغیر میں علم حدیث کے فروغ کے لئے اہم ونمایاں کردار ادا کرنے والی عظیم ہستی الشیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار

مبارک پر حاضری و درس حدیث دینے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں، تقریباً 500 اہم موضوعات پر آپ کے خطابات کی سی ڈیز آڈیو، وڈیو کیسٹیں تبلیغ دین کے لئے وقف ہیں۔

تصنیف وتالیف :

صاحبزادہ صاحب کی اعلیٰ علمی کاوش پر مشتمل خوبصورت تصنیف ''پیغام ہدایت'' آپ کے ہاتھ میں ہے، مختلف رسائل وجرائد میں اہم موضوعات پر مضامین وانٹرویوز شائع ہو چکے ہیں، اس وقت اربعین (چہل حدیث) اور تصوف کے حوالہ سے ''جہانِ باطن'' کے نام سے کتب زیر طبع اور ماہانہ درس قرآن اور رمضان المبارک میں ہونے والے درس بخاری شریف ودیگر اہم موضوعات پر کیے گئے خطابات کو کتابی شکل دینے پر کام جاری ہے۔

گجرات شہر میں مرکز علم ودانش کا قیام

الحمد للہ! گجرات شہر میں حفظ قرآن وتعلیمات اسلامیہ کی منفرد ومعیاری درسگاہ ''جامعہ صفۃ المدینہ'' کا قیام صاحبزادہ صاحب کی اعلیٰ تعلیمی قابلیت وصلاحیت کا منہ بولتا ثبوت اور دینی علم کے اشاعت وفروغ کا عظیم منصوبہ وکارنامہ ہے فی الوقت شعبہ حفظ وشعبہ کتب میں 125 طلباء زیر تعلیم ہیں، دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے نصاب تعلیم وطریقہ ہائے تدریس سے منسلک یہ درسگاہ اہل اسلام کا عظیم علمی وروحانی مرکز ثابت ہوگا۔ ان شاءاللہ

صاحبزادہ صاحب کی زیر سرپرستی آستانہ عالیہ باؤلی شریف پر بھی تعلیم وتربیت کا سلسلہ جاری ہے۔

عبدالقادر مصطفائی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سُوْرَۃُ الْعَصْر

کی انقلاب آفرین اور ایمان افروز تفسیر

﴿پیغامِ ہدایت﴾

علامہ صاحبزادہ غلام بشیر نقشبندی

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

کہاں گیا وہ مسلمان

جس کی پیشانی کے بل سے ایوان باطل لرز اٹھتے تھے، جس کے اشارۂ ابرو سے رکے ہوئے دریا چل پڑتے تھے، جس کے رعب سے طوفان ڈر جاتے تھے، جس کی پھونک سے بجھی ہوئی شمعیں جل اٹھتی تھیں، جس کے فکر کی بلندی تک کوئی بلند پرواز شاہین نہ پہنچ سکتا تھا ،جس کی آنکھوں سے نکلنے والے شعلوں کو کوئی شیر بھی نہ دیکھ سکتا تھا، جس کے دل کی وسعت کے سامنے افلاک کی وسعتیں گھٹ جایا کرتی تھیں، جس کے عزم کی پختگی کے سامنے پختہ چٹانیں بھی موم نظر آتی تھیں، جس کی رگوں میں گردش کرنے والا خون "اللہ ھو" کا ورد کیا کرتا تھا، جس کی سانسیں درود اور دھڑکنیں سلام پڑھتی تھیں، جس کی پلکیں یاد محبوب ﷺ میں اشکوں کی مالا جپتی تھیں۔

کتنی عجیب بات ہے کہ آج مسلمان موجود ہے لیکن روح اسلام موجود نہیں، مومن موجود ہے لیکن نور ایمان موجود نہیں، کیا قیامت ہے کہ پھول موجود ہے اور خوشبو موجود نہیں ،سورج موجود ہے اور روشنی موجود نہیں، چراغ جل رہے ہیں پھر بھی اندھیرا بڑھ رہا ہے۔

عجیب حشر بپا ہے سر بساط وجود
چراغ جلتے ہیں لیکن ہے روشنی مفقود

امت مسلمہ ابتلاء و آزمائش کے کٹھن دور سے گزر رہی ہے۔ ایک طرف اغیار نے اس امت سے فکر و عمل کا سرمایہ چھیننے کے لئے کوششیں تیز کر دی ہیں اور دوسری طرف احباب

امت سے فکر وعمل کا سرمایہ چھیننے کے لئے کوششیں تیز کر دی ہیں اور دوسری طرف احباب نے اسلاف کی محنتوں کو ضائع کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، لٹیرے لوٹ رہے ہیں اور محافظ سوئے ہوئے ہیں، مسلمان حکمران اسلامی تعلیمات سے نابلد و ناآشنا ہیں، حکمرانی کے نشہ میں ایسے مست ہوئے ہیں کہ احکم الحاکمین کے دربار میں جوابدہی کا احساس ہی ختم ہو گیا ہے، خالد بن ولید اور طارق بن زیاد کے وارث شمشیر وسناں سے تعلق توڑ کر طاؤس ورباب میں کھو گئے ہیں، اکثر تعلیمی ادارے بے کار نوجوانوں کی فوج ظفر موج قوم کو فراہم کر رہے ہیں، تعلیمی نصاب میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی جس سے مسلمان نوجوان کا حقیقی کردار تشکیل پا سکے۔ دنیا پرستی و زر طلبی نے مسلمان کے ماتھے سے تاج فقر اتار کر اس کے ہاتھوں میں کشکول گدائی پکڑا دیا ہے۔ حرص ولالچ کے بندے مذموم طریقوں سے دولت اکٹھی کر رہے ہیں۔ جبینیں لذت سجدہ سے محروم ہیں، ذہن مردہ، سینے بے آباد، آنکھیں ویران اور دل یاد خدا سے خالی ہیں۔

یاد بھی اس کی دل سے یہ کہہ کر نکل گئی
ایسی اجڑی بستی میں بھلا کون رہے

ہماری نظروں سے حیاء، زبان سے صدق وصفا، سینے سے عشق مصطفیٰ ﷺ اور بازوؤں سے زور مرتضٰی ختم ہو چکا ہے۔ ہماری آنکھیں خوف الٰہی سے بہنے والے آنسوؤں کا راہ دیکھ رہی ہیں، مگر وہ آنسو کیسے آئیں؟ کہاں سے آئیں؟ رزق حرام سے بننے والے خون نے ان آنسوؤں کا راستہ روک رکھا ہے۔

ہماری اس انفرادی واجتماعی پستی کا سبب کیا ہے؟ اس فکری وعملی افلاس کا علاج کیا ہے؟ میں نے انفرادی واجتماعی اصلاح کا نسخہ معلوم کرنے کی نیت سے قرآن مجید کھولا تو اتفاق سے وہ صفحہ سامنے آیا جس پہ سورۃ العصر لکھی ہوئی تھی۔ چنانچہ میں نے اپنی محدود استعداد کے مطابق اس سورۃ پہ غور وفکر کیا۔ چند تفاسیر کا مطالعہ کیا، اور چند اہل علم سے گفتگو بھی کی۔ سورۃ

العصر سمجھنے کے لئے اپنی مساعی کا نتیجہ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں، اس نیت کے ساتھ کہ شاید کوئی پڑھنے والا اسے اس طرح پڑھے کہ اس کا پڑھنا میرے لئے بخشش و نجات کا ذریعہ بن جائے۔ شاید کوئی پڑھنے والا ایسا ہو جو اسے پڑھ کر فکری و عملی طور پر حقیقی مسلمان بننے کا پختہ ارادہ کر لے۔

اسے غور سے پڑھیے! شاید یہ کتابچہ آپ ہی کی زندگی بدلنے کے لئے لکھا گیا ہو، شاید آپ ہی وہ خوش نصیب ہوں جن کے ماتھے پر سعادتِ دارین کا تاج سجایا جانے والا ہو۔ جن کے دل کی سیج پر انوارات الٰہیہ کا تخت بچھایا جانے والا ہو۔

اے رحمان و رحیم رب! میری غلطیوں کو معاف فرما۔ میری اس ادنیٰ سی کوشش کو شرف قبولیت عطا فرما۔ اسے میرے لئے اور جملہ اہلِ اسلام کے لئے مفید بنا۔ آمین

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۔ (آمین)

غلام بشیر نقشبندی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعَصْرِ (۱)

زمانے کی قسم

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ (۲)

بے شک انسان بڑے نقصان میں ہے

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (۳)

مگر وہ لوگ (نقصان سے بچ گئے) جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے۔ ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سورۃ العصر کا تعارف اور فضیلت

پہلی فضیلت

اس سورۃ کی پہلی آیت کے لفظ "العصر" کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے، سورۃ العصر کا ایک رکوع اور تین آیتیں ہیں، کلمات کی تعداد ۱۴ اور حروف کی تعداد ۶۸ ہے۔

اگرچہ قتادہ، مقاتل اور مجاہد نے اسے مدنی سورۃ کہا ہے، لیکن مفسرین کی اکثریت نے اسے مکی قرار دیا ہے۔ ترتیب نزولی کے اعتبار سے قرآن مجید کی اولین سورتوں میں سے ہے۔ گویا کہ یہ نبی مکرم ﷺ پر مکی دور کے بالکل آغاز پر نازل ہوئی ہے۔ ترتیب کتابی کے اعتبار سے قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتوں میں اس سورۃ کا نمبر شمار ۱۰۳ ہے۔ اس کے بعد گیارہ (۱۱) سورتیں ہیں۔

ترتیب کتابی کے اعتبار سے یہ قرآن مجید کی وہ آخری سورۃ ہے جس میں قسم اٹھائی گئی ہے۔ اس کے بعد کی سورتوں میں کوئی قسم نہیں اٹھائی گئی۔ گویا "عصر کی قسم" قرآن مجید کی آخری قسم ہے۔

دوسری فضیلت

شانِ نزول

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کے تجارتی سفر سے واپس مکہ مکرمہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ ؓ حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا۔

دربار مصطفےٰ میں ہر اک چیز تھی مگر
میں نے منیر طوق غلامی اٹھا لیا

قبول اسلام سے آپؓ کی شخصیت میں مزید نکھار آ گیا، عادات قبیحہ سے پہلے ہی دور تھے مگر اب ان سے مزید نفرت پیدا ہوئی اور حسنات کی محبت شدت اختیار کر گئی۔ اپنا تمام مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آنحضرت کے چہرۂ اقدس کی تلاوت کو اپنی آنکھوں کی عبادت بنا لیا۔

آپ ﷺ کا نام اپنی سانسوں کا وظیفہ اور آپ ﷺ کے مشن کی تکمیل اپنی زندگی کا مقصد وحید بنا لیا۔ یوں محسوس ہونے لگا۔

جب نہ سمایا کہیں عالم تخلیق میں
عشق نبی ﷺ ڈھل گیا پیکر صدیق میں

مشرکین مکہ نے جناب صدیق اکبرؓ کو دام فریب میں پھنسانے کی مختلف کوششیں کیں، کلاہ بن اسید عہد جاہلیت میں جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دوست تھا۔ وہ ایک دن آپؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا

اے ابوبکر! تم میرے پرانے دوست ہو، تم جانتے ہو میں تمہارا خیر خواہ ہوں فقط تمہاری خیر خواہی کے جذبے سے تمہارے پاس آیا ہوں۔ میں تمہیں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ اسلام قبول کرنے کا فیصلہ تمہارے لئے بڑا نقصان دہ ہے۔ تم جیسے دانش مند سے یہ امید نہ تھی کہ یہ خسارے کا سودا کرو گے۔

کلاہ بن اسید کی یہ بات سن کر سیدنا صدیق اکبر مسکرائے اور فرمانے لگے:

جو شخص ایمان لائے، نیک کام کرے، انفرادی اور اجتماعی اصلاح کے لئے قدم اٹھائے وہ خسارے میں نہیں ہے۔ بلکہ وہی حقیقی کامیاب ہے، کلاہ بن اسید نے جناب صدیق اکبرؓ کی اس بات سے اختلاف کیا۔

اللہ تعالٰی نے سیدنا صدیق اکبرؓ کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے سورۃ العصر نازل فرمائی۔اور قیامت تک آنے والے انسانوں کو بتا دیا کہ حقیقی کامیاب کون ہے اور ناکام کون ہے۔ (تفسیر عزیزی)

تیسری فضیلت

سورۃ ماقبل اور سورۃ مابعد سے تعلق

فانی اشیاء کی محبت انسانوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیتی ہے، جب کوئی انسان فانی اشیاء کی کثرت طلب کرتا ہے تو گویا وہ اپنی ہلاکت طلب کر رہا ہے۔ اس روشن حقیقت کو سورۃ التکاثر میں بیان کیا گیا ہے۔سورۃ العصر،سورۃ التکاثر کے ساتھ معنوی ربط رکھتی ہے۔سورۃ التکاثر میں ہلاک ہونے ،جہنم رسید ہونے اور نعمتوں کی باز پرس ہونے کا بیان ہے۔اس سے اگلی سورۃ یعنی سورۃ العصر میں اس ہلاکت کو وسیع مفہوم میں لفظ "خسر" کے ساتھ بیان کرنے کے بعد اس ہلاکت اور عظیم نقصان سے بچنے کا طریقۂ کار کا ذکر کر دیا ہے۔

سورۃ العصر کا، مابعد سورۃ کے ساتھ تعلق

سورۃ العصر کے بعد سورۃ الھمزہ ذکر کی گئی ہے،اس سورۃ میں آدمی کو جہنم سے ڈرایا گیا ہے جو منہ پر طعنے دیتا ہے، پیٹھ پیچھے غیبت کرتا ہے، مال جمع کرنے اور اسے گنتے رہنے کی خواہش رکھتا ہے۔سورۃ الھمزہ کا بھی سورۃ العصر کے ساتھ معنوی تعلق ہے۔

سورۃ العصر میں حقیقی کامیابی و ناکامی، حقیقی نفع و نقصان کا تصور پیش کیا گیا ہے، اگر سورۃ العصر کا پیش کردہ تصور نفع و نقصان پیش نظر نہ ہو تو جو نتیجہ نکلتا ہے، انسانی شخصیت جس ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتی ہے، جو اخلاقی برائیاں پیدا ہوتی ہیں انہیں سورۃ الھمزہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

گویا سورۃ العصر اپنی ماقبل اور مابعد دونوں سورتوں کے ساتھ معنوی تعلق رکھتی ہے۔

گویا سورۃ العصر اپنی ماقبل اور مابعد دونوں سورتوں کے ساتھ معنوی تعلق رکھتی ہے۔

چوتھی فضیلت

سورۃ العصر قرآن حکیم کی مختصر ترین سورتوں میں سے ہے۔ مضمون اور مفہوم نہایت اعلیٰ ،معانی بے پناہ جبکہ الفاظ بہت سادہ اور عام فہم ہیں۔

قرآن مجید، دنیا وآخرت میں کامیابی کی جس راہ کی طرف لوگوں کی راہنمائی کرتا ہے، وہ نہایت اختصار مگر حد درجہ جامعیت کے ساتھ اس چھوٹی سی سورۃ میں بیان کردی گئی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ پورا قرآن مجید ایک درخت ہے اور یہ سورۃ اس کا بیج ہے۔ جس طرح ایک بیج میں پورا درخت چھپا ہوتا ہے اور اس طرح سورۃ العصر میں پورا قرآن مجید موجود ہے۔

اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام شافعیؒ نے ارشاد فرمایا:

"اگر لوگ اس سورۃ پر ہی غور کریں تو یہی ان کی ہدایت کے لئے کافی ہے۔"

(تفسیر ابن کثیر)

امام شافعی نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

"اگر قرآن حکیم میں سوائے اس سورۃ مبارکہ کے اور کچھ بھی نازل نہ ہوتا تو یہ سورۃ ہی لوگوں کی ہدایت کے لئے کافی ہوتی۔"

(بحوالہ تفسیر پارہ عم از محمد عبدہ)

پانچویں فضیلت

یہ سورۃ مبارکہ بظاہر تین آیات پر مشتمل ہے، لیکن مفہوم کے اعتبار سے، تینوں آیات کو ملانے سے ایک ہی جملہ بنتا ہے۔

پہلی آیت میں قسم ہے اور اگلی دونوں آیتیں مل کر جواب قسم بن رہی ہیں۔ (دوسری

آیت میں ایک دردناک حقیقت بیان کی گئی ہے اور تیسری آیت میں اس سے چند انسانوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے) قسم اور جواب قسم مل کر جملہ قسمیہ فعلیہ بنتا ہے۔اس طرح تین آیات سے مل کر ایک بات بنتی ہے۔

چھٹی فضیلت

سورۃ العصر کا معنوی انداز

نبی اکرم ﷺ کو بشیر ونذیر بنا کر بھیجا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نیکیوں کے نیک انجام کی خوشخبری دینے والے اور برائیوں کے برے انجام سے ڈرانے والے ہیں،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان اور عمل صالح پر جنت کی بشارت سنائی ہے ،اسی طرح کفر وعصیاں پر دوزخ سے ڈرایا ہے۔

نبی اکرم ﷺ بشیر ونذیر ہیں اور آپ ﷺ کے سینۂ اقدس پر نازل ہونے والا کلام انداز وتبشیر کی صفت رکھتا ہے۔

مجموعی طور پر سورۃ العصر پہ انذار (ڈرانا) کا رنگ غالب ہے اس سورۃ کا آغاز ہی جھنجھوڑنے والا ہے، کتنے بارعب انداز میں فرمایا:

وَالْعَصْرِ ۞ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۞

قسم ہے زمانے کی بے شک انسان خسارے میں ہے

خالق کائنات کے کلام سے انسان کی ناکامی ونقصان کا ذکر سن کر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔اگر چہ تیسری آیت میں خوشخبری دی گئی ہے کہ سارے انسان نقصان میں نہیں ہیں بلکہ کچھ خوش نصیب اس نقصان سے بچے ہوئے ہیں۔لیکن پھر بھی اس سورۃ پر انذار کا رنگ غالب ہے۔

(۲) اس سورۃ پر انذار (ڈرانا) کا رنگ غالب ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسان

کو تنبیہ کے انداز میں سمجھایا جارہا ہے کہ اگر تم نے درج ذیل چار صفات حاصل نہ کیں تو تم مکمل طور پر تباہ ہو جاؤ گے، چنانچہ اس سورۃ کو پڑھنے کے بعد انسان سوچتا ہے کہ میرا شمار کن لوگوں میں ہے۔ میرا شمار ناکام ہونے والوں میں ہے یا کامیاب ہونے والوں میں؟ میرے اندر سورۃ العصر کی بیان کردہ چار شرائط کامیابی موجود ہیں یا نہیں؟

یہ سوچ انسان پر خوف کی کیفیت طاری کر دیتی ہے، یہی وجہ ہے اس سورۃ مبارکہ کی کثرت سے تلاوت دل سے غفلت کا زنگ اتار دیتی ہے۔

ساتویں فضیلت

سورۃ العصر سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت

نبی اکرم ﷺ کی صحبت و تربیت کا یہ فیض تھا کہ صحابہ کرامؓ آپس میں ایک دوسرے کے بڑے خیر خواہ تھے۔ ان کی اس خیر خواہی کے مختلف انداز تھے، کبھی کوئی صحابی خود بھوکا رہتا اور اپنا کھانا دوسرے صحابی کو کھلا دیتا، جس طرح حضرت عاصمؓ نے اپنا کھانا اپنے مہمان کو کھلا دیا اور خود بھوکے رہے۔ کبھی کوئی صحابی اپنے ذاتی کاروبار میں شریک کر لیتا جس طرح میثاقِ مدینہ کے موقع پر انصار نے مہاجرین کو اپنے کاروبار میں شریک کر لیا، کبھی کوئی صحابی اپنی محنت مشقت سے کمایا ہوا روپیہ خرچ کر کے دوسرے صحابی کو کسی ظالم کی غلامی سے آزاد کروا لیتا جس طرح سیدنا صدیق اکبرؓ نے حضرت بلالؓ کو آزاد کروایا۔

صحابہ کرام میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ جب دو صحابی ملاقات کرتے تو ایک دوسرے کو اچھی نصیحتیں کرتے تا کہ دل پر غفلت طاری نہ ہو۔ آخرت یاد رہے اور اس کے لئے تیاری جاری رہے۔ چنانچہ اس عمل (نصیحت) کے لئے انہوں نے سورۃ العصر کو مخصوص کر دیا تھا۔ حضرت ابو مزینہ دارمیؒ فرماتے ہیں کہ

نبی اکرم ﷺ کے صحابہ میں سے دو حضرات جب باہم ملاقات فرماتے تو اس وقت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے جب تک ان میں سے ایک دوسرے کو سورۃ العصر نہ سنا لیتا۔

(اخرجه الطبرانی فی الاوسط و البیهقی فی الشعب)

آٹھویں فضیلت

حقیقی نفع ونقصان کا تصور

ہر انسان چاہتا ہے کہ زندگی کے مختلف مراحل میں کامیاب ہو اور ناکامی سے محفوظ رہے۔ فطری طور پر کامیابی کے حصول کی خواہش ہر انسان میں موجود ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ انسان کس شے کے حصول کو کامیابی سمجھتا ہے۔؟

☆............کیا بے شمار دولت کما لینا کامیابی ہے؟

☆............کیا کسی بڑے عہدے پہ فائز ہو جانا کامیابی ہے۔؟

☆............کیا جاہ وحشمت حاصل کر لینا کامیابی ہے۔؟

☆............کیا شانِ وشوکت حاصل کر لینا کامیابی ہے۔؟

نہیں ۔ ہرگز نہیں

مذکورہ اشیاء اور مناصب کا حصول ہرگز حقیقی کامیابی نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں، فانی اشیاء یا عہدوں کا حصول وقتی اور فانی کامیابی ہے، لافانی اشیاء کا حصول لافانی کامیابی ہے۔

سورۃ العصر کا پیغام یہ ہے کہ ایک انسان کے پاس دنیا کی ہر چیز موجود ہو لیکن چار صفات ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق، تواصی بالصبر نہ ہوں تو وہ ناکام انسان ہے اور اگر دنیا کی کوئی سہولت حاصل نہ ہو لیکن یہ چار صفات حاصل ہوں تو وہ ایک کامیاب انسان ہے۔

چھٹکارا پالوں لیکن ایسا ممکن نہ ہوگا۔ کیونکہ وہاں دولت نہیں ایمان کام آئے گا۔

ترازو کے ایک پلڑے میں ایمان ہو اور دوسرے پلڑے میں ساری زمین کو سونا بنا کر رکھ دیا جائے تب بھی وہ پلڑا بھاری ہوگا جس میں ایمان رکھا جائے گا۔

ایمان کی دولت دنیا کی ہر دولت سے زیادہ اہم ہے۔ دولتِ ایمان کی اہمیت کا احساس اس وقت ہوگا جب آنکھیں بند ہوں گی۔ غفلت کے پردے ہٹیں گے، جب دولتِ دنیا ساتھ چھوڑ جائے گی اور دولتِ ایمان ساتھ جائے گی اس وقت دولتِ ایمان کی قدر ہوگی۔

کاش اس وقت کے آنے سے پہلے ہی ہمیں دولتِ ایمان کی اہمیت کا احساس ہو جائے۔

کاش ہم چند روپوں کے عوض اپنے ایمان کو فروخت نہ کریں۔

آج کا المیہ یہ ہے کہ ہم دنیوی زندگی فرعون کی طرح ٹھاٹھ باٹھ سے گزارنا چاہتے ہیں اور آخرت میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرب چاہتے ہیں، ایسی خواہش فریب نفس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا اگر ہم اپنی آخرت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قرب میں چاہتے ہیں تو پھر زندگی بھی ان کی طرح گزارنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

اے اللہ !

ہم تیرے عاجز بندے ہیں

تجھے تیری رحمت کا واسطہ

ہماری آنکھوں سے غفلت کے پردے ہٹا دے

آمِیْنَ بِجَاہِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

"وَالْعَصْرِ" کے معانی

پہلا معنٰی

زمانے کی قسم

دوسرا معنٰی

اس زمانۂ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم

تیسرا معنٰی

وقتِ عصر کی قسم

چوتھا معنٰی

نمازِ عصر کی قسم

وَالْعَصْرِ کا پہلا معنی

زمانے کی قسم

"عَصْرٌ" کا لغوی معنی "نچوڑنا" ہے، کسی پھل کو نچوڑنے سے اس میں موجود رس باہر نکلتا ہے۔ اسی لئے شیرہ کو عصیر کہتے ہیں، زمانے کے حالات و واقعات انسان کی پوشیدہ صلاحیتوں کو ظاہر کرتے ہیں، اس لئے زمانے کو عصر کہتے ہیں۔

"عصر" کا اصل مفہوم صرف زمانہ نہیں بلکہ تیزی سے گزرنے والا زمانہ ہے۔ لغت عرب میں "عصر" اور "دھر" دو جانے لفظ ہیں۔ قرآن مجید میں "العصر" اور "الدھر" دونوں ہی ناموں کی سورتیں موجود ہیں۔

عصر اور دھر میں فرق یہ ہے کہ دھر سے مراد زمان مطلق ہے اور عصر میں زمانے کی گردش اور اس کی تیز روی کا معنی پایا جاتا ہے۔ گویا "والعصر" کا معنی یہ ہوا کہ تیزی سے گزرنے والے زمانے کی قسم۔

زمانے کی قسم کیوں اٹھائی ......؟

پہلی وجہ

زمانہ اور اس کی تبدیلی رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی مظہر ہے، کبھی سردی، کبھی گرمی، کبھی رات، کبھی دن یہ موسم کون بدلاتا ہے؟ کیا یہ نظام خود بخود چل رہا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ نظام خود بخود نہیں چل رہا۔ بلکہ ایک حکیم اسے چلا رہا ہے۔ اور وہ حکیم اپنی حکمت کاملہ سے اس نظام کو چلا رہا ہے۔ دھوپ کبھی یکدم اندھیرے میں نہیں بدلتی۔ اندھیرا کبھی یکدم دھوپ میں نہیں بدلتا، بلکہ قدرت ایک منظم طریقے سے انسان کو رات سے دن میں اور دن سے رات میں داخل کرتی ہے۔ زمانہ کی قسم اس لئے اٹھائی کہ اگر انسان اس زمانے پر ہی غور و فکر

کرے تو خالق کائنات کی ذات کو مان جائے گا۔ گویا زمانہ توحید پر دلیل ہے۔

دوسری وجہ

اس سورۃ میں جو حقیقت بیان کی جا رہی ہے، اس کی صداقت پر سب سے بڑا گواہ خود زمانہ ہے گویا پہلی آیت دلیل ہے اور اگلی دو آیتیں دعویٰ ہیں۔

دعویٰ یہ ہے کہ ہر انسان نقصان میں ہے۔ مگر جس میں چار صفات (ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر) پائی جائیں وہ نقصان میں نہیں۔ اس دعویٰ کی دلیل کے طور پر والعصر کو ذکر کیا گیا ہے۔ کسی زمانے کو دیکھ لیں کامیاب وہی لوگ ہوئے جن میں مذکورہ چار صفات تھیں۔ اور جن لوگوں کا دامن ان چار صفات سے خالی تھا وہ سب کچھ رکھنے کے باوجود بھی ناکام رہے۔ نمرود کے پاس کیا کچھ نہ تھا؟ فرعون اور قارون کے پاس کس چیز کی کمی تھی؟ ابوجہل اور ابولہب کو کون سی چیز حاصل نہ تھی؟ سرداری، دولت اور جاہ و حشمت حاصل تھی۔ لیکن کیا یہ لوگ کامیاب تھے؟ ہرگز نہیں اس لئے کہ آج ان کا شمار حرماں نصیب اور بدبخت لوگوں میں ہوتا تھا ان کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی خوش بختی کا اندازہ کریں ان کے پاس نہ گھر نہ ذر۔ لیکن ان کا سر خدائے واحد کے در پر تھا۔ اور آج ان کا نام زبان پہ آتا ہے تو نگاہیں ادب سے جھک جاتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کامیاب ہوئے یا ابولہب؟

سورۃ العصر میں بیان کردہ حقیقت پر زمانہ خود گواہ ہے۔ اس سورۃ میں جس پر ایک روشن حقیقت بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح اس روشن حقیقت پر روشن دلیل قائم کی گئی ہے۔ لفظ "والعصر" کے ذریعے جن تاریخی حقائق کی جانب اشارہ کیا گیا ہے انہیں جب تفصیل سے بیان کیا گیا تو وہ علوم قرآنی کی مستقل صنف بن گئے۔ مفسرین نے اس صنف کو "تذکیر بایام اللہ" کا نام دیا ہے۔

تیسری وجہ

کفار پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی تو وہ کہتے یہ مصیبت زمانے کی وجہ سے آئی ہے۔آج ہم بھی غفلت میں کہہ دیتے ہیں کہ "یہ سارا نقصان زمانے کی وجہ سے ہو رہا ہے، زمانہ ہی ایسا آ گیا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم اٹھا کر بتایا کہ زمانہ نقصان نہیں کرتا بلکہ انسان خود اپنا نقصان کرتا ہے۔

وَالْعَصْرُ نِعْمَةٌ حَاصِلَةٌ لَا عَيْبَ فِيْهَا اِنَّمَا الْخَاسِرُ الْمُعَيَّبُ هُوَ الْاِنْسَانُ.

(تفسیر کبیر تحت سورۃ العصر مکتبہ حقانیہ محلہ جنگی پشاور ۳۲/۲۷۲)

زمانہ ایک بے عیب نعمت ہے اس کا صحیح مصرف قطرے کو گوہر اور ذرّے کو آفتاب بنا دیتا ہے۔جس نے وقت کی قدر کی وہ خود قدر والا ہو گیا۔جس نے وقت کی ناقدری کی اس نے اپنی قدر کھو دی۔

چوتھی وجہ

وقت کی قدر و قیمت کا احساس دلانے کے لئے اس کی قسم اٹھائی ہے۔وقت ہی انسان کا راس المال ہے جس کے صحیح استعمال سے انسان نے سعادت دارین حاصل کرنی ہے۔ بظاہر یہ وقت ٹھہرا ہوا محسوس ہوتا ہے لیکن حقیقت میں بڑی تیزی سے گزر رہا ہے۔امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں کسی بزرگ کا فرمان نقل فرمایا ہے۔

"میں نے سورۃ العصر کا مطلب ایک برف بیچنے والے سے سمجھا ہے، جو بازار میں آواز لگا رہا تھا، رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے۔"

اس کی بات سن کر میں نے کہا "وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ" کا مطلب یہ

ہے کہ عمر کی جو مدت انسان کو دی گئی ہے وہ برف کے گھلنے کی طرح تیزی سے گزر رہی ہے۔

بقول شاعر

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

والعصر کا دوسرا معنی

اس زمانہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم

(کنز الایمان)

اگر ''والعصر'' سے عہد رسالت مراد لیا جائے تو نہایت موزوں ہوگا۔

(ضیاء القرآن)

''والعصر'' سے عہد رسالت مآب مراد لینے سے آنحضرت ﷺ کی شان محبوبیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب ﷺ سے کتنی محبت ہے کہ آپ ﷺ سے نسبت رکھنے والی مختلف اشیاء کی قسم اٹھائی ہے۔

کہیں لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ فرما کر شہر مصطفےٰ کی قسم اٹھائی ہے، کہیں ''وَالضُّحٰی'' فرما کر چہرۂ مصطفےٰ کی قسم اٹھائی ہے۔ کہیں ''وَاللَّیْلِ'' کہہ کر زلفِ مصطفیٰ کی قسم اٹھائی ہے، کہیں ''لَعَمْرُکَ'' کہہ کر عمر مصطفیٰ کی قسم اٹھائی ہے، اور کہیں ''وَالْعَصْرِ'' کہہ کر زمانہ مصطفےٰ کی قسم اٹھائی ہے۔

حضور ﷺ کے زمانہ کی تین قسمیں ہیں۔

۱)......زمانہ فیضِ مصطفےٰ ﷺ (۲......زمانہ ظہورِ مصطفےٰ ﷺ (۳......زمانہ نبوتِ مصطفےٰ ﷺ

پہلی قسم

زمانہ فیضِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم

اگر "العصر" سے زمانہ فیضِ مصطفٰے ﷺ مراد لیں تو ازل سے لے کر ابد تک کے زمانہ کی قسم ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا فیض ازل سے ابد تک کے زمانے کو شامل ہے، جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

1......حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ آنحضرت ﷺ کے فیض سے قبول ہوئی۔

2......حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی فیضِ مصطفٰے ﷺ سے ساحل آشنا ہوئی۔

اگر نام محمد ﷺ را نیاوردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

3......حضرت ابراہیم علیہ السلام پر فیضِ مصطفٰے سے آگ گلزار بن گئی۔

4......برزخ میں آپ ﷺ کا فیض اہل برزخ کو ملتا ہے۔

5......کل قیامت میں آپ ہی کے فیض سے شفاعت کا دروازہ کھلے گا۔

گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض ازل سے ابد تک کے زمانے کو شامل ہے۔

دوسری قسم

زمانہ ظہورِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم

یہ وہ زمانہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہراً فرش گیتی پر موجود تھے۔ وہ مبارک زمانہ ہے جس میں فرشِ زمیں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم چومنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ وہ مبارک زمانہ جس میں ہوا کو آپ ﷺ کے مقدس سانس اپنے اندر جذب کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، وہ مبارک زمانہ ہے جس میں عرب کے

بدو (صرف زیارتِ مصطفیٰ ﷺ کر کے) ایمان لا کے صحابی بن رہے تھے، اس مرتبہ پر پہنچ رہے تھے کہ جہاں بعد کے زمانہ کے اولیاء واقطاب باوجود کثرت عبادت وریاضت کے نہیں پہنچ سکیں گے۔ حضرت امام اعظم ؒ کا علم بہت وسیع ہے۔ لیکن وہ حضرت بلال ؓ کے قدموں کی خاک تک نہیں پہنچ سکتے۔ وجہ صرف یہی ہے کہ حضرت بلال نے زمانہ ظہورِ مصطفیٰ پایا ہے، زیارتِ رسول مقبول ﷺ سے اپنی آنکھوں کو شادکام کیا ہے۔

صحابہ وہ صحابہ جن کی ہر صبح عید ہوتی تھی
یعنی صبح صبح نبی ﷺ کی دید ہوتی تھی

ایک روز نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ سے ان کی پسندیدہ عبادت پوچھی۔ کسی نے عرض کیا مجھے نماز پڑھنا دوسری عبادات کی نسبت زیادہ پسند ہے، کسی نے زکوٰۃ وصدقات، کسی نے حج وجہاد اور کسی نے تبلیغ وشہادت کو اپنا پسندیدہ عمل اور پسندیدہ عبادت قرار دیا۔ آخر میں نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کی پسندیدہ عبادت پوچھی تو وہ عرض کرنے لگے۔

اَلنَّظَرُ عَلٰی وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ...... چہرہ آپ ﷺ کا ہو آنکھیں ابوبکر کی ہوں۔

میں آنکھوں کے کشکول دراز کروں آپ جلوؤں کی خیرات عطا کریں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام ؓ کی پسندیدہ عبادت میں فرق کیا تھا؟ دیگر صحابہ کرام ؓ نے جو عبادات پسند کیں انہیں ادا کرنا اس وقت بھی ممکن تھا اور آج بھی ممکن ہے۔ لیکن سیدنا صدیق اکبر ؓ نے وہ عبادت پسند کی جسے آج پہلے کی طرح ادا کرنا ممکن نہیں (یاد رہے آج ممکن ہے لیکن پہلے کی طرح ممکن نہیں) یارِ غار کی ذہانت اور فراست قابل داد ہے انہوں نے اس محبت کا اظہار کیا کہ جب آپ ﷺ ظاہراً موجود ہیں تو آپ کے چہرہ کی تلاوت سے بڑھ کر کوئی عمل پسندیدہ نہیں کیونکہ جب آپ ﷺ پردہ فرمائیں گے تو پھر یہ عبادت

پہلے کی طرح ممکن نہیں رہے گی۔ پہلے عام اور خاص سب زیارت کر سکتے تھے لیکن بعد از وصال خاص محبت والوں کو زیارت نصیب ہوگی۔ نا اہل اس شرف سے محروم رہیں گے۔

وَالْعَصْرِ، قسم ہے اس زمانے کی جس میں نبی کریم ﷺ ظاہراً تشریف فرما ہیں۔

تیسری قسم

زمانۂ نبوتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

زمانۂ نبوتِ مصطفےٰ ﷺ سے قیامِ قیامت تک کا دور ہے۔ اگر زمانہ نبوت مراد لیں تو والعصر کا معنی یہ ہوگا:

"قسم ہے زمانۂ نبوت مصطفےٰ ﷺ کی"

والعصر کا تیسرا معنی

"وقتِ عصر کی قسم"

امام اعظم کے نزدیک ہر چیز کا سایہ اصلی کے سوا دو مثل سایہ ہونے سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقت عصر کا وقت ہے۔

عصر کے وقت کی قسم کیوں اٹھائی......؟

پہلی وجہ

قرآن مجید میں فجر اور عصر دونوں وقتوں کی قسم اٹھائی ہے۔

"وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ" فجر کا وقت مر کر دوبارہ اٹھنے کا وقت ہے یعنی صبح قیامت عصر کا وقت دنیا کا بازار اجڑنے کا وقت ہے اس سے مراد قرب قیامت کا دور ہے۔

دوسری وجہ

عصر کا وقت بازار سے گھر جانے کی تیاری کا وقت ہے۔
اسی طرح ایک دن دنیا کے بازار سے اپنے اصلی گھر (قبر، آخرت) کی طرف جانا ہے۔

دل کے دریا کو کسی روز اتر جانا ہے
اتنا بے سمت نہ چل لوٹ کے گھر جانا ہے

تیسری وجہ

عصر کا وقت اپنا احتساب کرنے کا وقت ہے۔ مثلاً ایک دوکاندار صبح بازار آیا، سارا دن دوکان کھولے رکھی، لیکن کمایا کچھ نہیں، حاصل کچھ نہیں کیا تو عصر کے وقت وہ پریشان ہو جاتا ہے کہ ابھی تھوڑی دیر کے بعد شام ہو گی میں گھر جاؤں گا۔ حق دار حق مانگیں گے، بیوی بچے مختلف اشیاء کا مطالبہ کریں گے، وہ سوچتا ہے کہ خالی ہاتھ گھر جانے سے شرمندگی ہو گی۔ لہٰذا جو بازار آئے اور کچھ نہ کمائے وہ بازار سے واپس جاتے ہوئے پریشان ہوتا ہے۔ مقام غور ہے کہ
انسان دنیا کے بازار میں آیا ہے سانسوں کی دولت بیچ کر کون سی چیز خرید رہا ہے؟

چوتھی وجہ

بعض مفسرین کے نزدیک عصر کے وقت کی قسم اٹھانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ وقت بڑا معظم ہے، کسی بھی وقت جھوٹی قسم کھانا گناہ ہے۔ لیکن عصر کے وقت جھوٹی قسم اٹھانا زیادہ گناہ ہے۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ بَعْدَ الْعَصْرِ کَاذِبًا لَا یُکَلِّمُهُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ.

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس شخص نے عصر کے بعد جھوٹی قسم اٹھائی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ اس سے کلام کرے گا اور نہ اس پر نظر رحمت کرے گا۔

(تفسیر کبیر تحت سورۃ العصر مکتبہ حقانیہ پشاور ۳۲/ ۲۷۸)

والعصر کا چوتھا معنی

"نماز عصر کی قسم"

نماز عصر کی قسم کیوں اٹھائی......؟

نماز عصر کی اہمیت کا احساس دلانے کے لئے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَ مَالُهٗ.

جس کی نماز عصر فوت ہوگئی گویا اس کے اہل وعیال اور تمام مال چھن گیا۔

(تفسیر کبیر تحت سورۃ العصر مکتبہ حقانیہ پشاور ۳۲/ ۲۷۸)

ایک صحابی کے دس اونٹ گم ہو گئے، وہ پریشان حال حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے غمگین ہونے کی وجہ پوچھی، اس نے عرض کیا، میرے دس اونٹ گم ہو گئے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تمہاری پریشانی تو ایسے تھی جیسے تمہاری نماز عصر قضا ہوگئی ہو"۔

ایک پریشان حال عورت روتی ہوئی مدینہ منورہ میں داخل ہوئی اور صحابہ کرام سے پوچھنے لگی، آنحضرت ﷺ کہاں ہیں؟ صحابہ کرامؓ نے اسے آنحضرت ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں پہنچا دیا۔ وہ عورت آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں عرض کرنے لگی۔ میں شادی شدہ تھی، میں نے زنا کیا، بچہ پیدا ہوا، اسے شراب کے مٹکے میں ڈال دیا، بچہ مر گیا، اسے

باہر پھینک دیا اور شراب بیچ دی۔ بتائیں میری سزا کیا ہے؟

آپ ﷺ نے پہلے تو اس عورت سے سرزد ہونے والے گناہوں کی شرعی سزا بیان فرمائی اور بعد میں ارشاد فرمایا:

"تیری پریشانی سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے عصر کی نماز قضا کر کے آئی ہو"۔

(تفسیر کبیر تحت سورۃ العصر مکتبہ حقانیہ پشاور ۳۲/۲۷۸)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اے اللہ!

تجھے پیارے مصطفیٰ ﷺ کے پرخلوص
سجدوں کا واسطہ ہماری پیشانیوں کو سجدوں
کے نور سے روشن فرما۔

(آمِیْنَ بِجَاہِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ''

﴿بیشک انسان بڑے نقصان میں ہے﴾

"وَالْعَصْرِ" کی قسم اٹھا کر اس سورۃ مبارکہ میں ایک بڑی دردناک حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ارشاد فرمایا"اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ "بیشک انسان خسارے میں ہے۔انسانی خسارے کو بڑی تاکید سے ذکر کیا ہے۔"اِنَّ "تاکید کے لئے ہے۔"لَفِیْ "میں"لام "تاکید کے لئے ہے۔"فِیْ "بھی تاکید کا معنی پیدا کر رہا ہے۔یعنی انسان خسارے میں ڈوبا ہوا ہے۔اور"خُسْرٍ "کی تنوین اظہارِ عظمت کے لئے ہے۔

اسی لئے امام فخر الدین رازی نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ عَظِیْمٍ لَا یَعْلَمُ کُنْهَهٗ اِلَّا اللّٰهُ.

ترجمہ:انسان بہت بڑے نقصان میں ہے،اس نقصان کی حقیقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(تفسیر کبیر تحت سورۃ العصر مکتبہ حقانیہ پشاور ۳۲/۲۷۹)

"اَلْاِنْسَانَ" سے مراد

1......لفظ "اَلْاِنْسَانَ "میں الف لام جنسی ہو تو اس سے مراد جنسِ انسان ہے۔یعنی تمام انسان خسارے میں ہیں،سوائے ان خوش نصیبوں کے جنہوں نے نقصان سے بچانے والی صفات اپنا لیں۔

2......لفظ "اَلْاِنْسَانَ "کا الف لام عہدی ہو تو اس سے مراد چند خاص افراد ہیں مثلاً ولید بن مغیرہ،عاص بن وائل،اسود بن عبدالمطلب،ابولہب اور ابوجہل وغیرہ۔کیونکہ (معاذ اللہ،نقل کفر کفر نہ باشد) یہ لوگ کہتے تھے حضرت محمد ﷺ نقصان میں ہیں۔تو اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھا کر جواب دیا۔

حضور ﷺ کو خسارے میں کہنے والے خود خسارے میں ہیں۔

"خُسْرٍ" کا مفہوم

"خُسْرٍ" کا معنی نقصان ہے لغت کے اعتبار سے یہ لفظ نفع کی ضد ہے، قرآن مجید میں جب "خُسْرٍ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے تھوڑا بہت نقصان مراد نہیں ہوتا، بلکہ دنیا و آخرت کی مکمل تباہی مراد ہوتی ہے۔

انسان نقصان میں کیوں......؟

1...... انسان کی سعادت اس بات میں ہے کہ آخرت کمائے اور دنیا سے اعراض کرے۔

لیکن دنیا کی طرف بلانے والے اسباب (حواس خمسہ) ظاہر ہیں اور آخرت کی طرف بلانے والے اسباب (باطنی حواس خمسہ یعنی لطائف) پوشیدہ ہیں، انسان ظاہری حواس خمسہ کی وجہ سے دنیا میں مشغول رہتا ہے، اور آخرت کمانے کی طرف توجہ نہیں دیتا انسان نقصان میں اس لئے ہے کہ آخرت کے داعی پوشیدہ اور دنیا کے داعی ظاہر اور غائب ہیں۔

2...... انسان نقصان میں اس لئے بھی ہے کہ وہ سانسوں کی دولت غیر متبدلہ ضائع کر رہا ہے، جتنا سرمایہ ضائع ہو، اتنا ہی نقصان شمار ہوتا ہے، یعنی نقصان کا تعین سرمایہ ضائع ہونے کے اعتبار سے ہوتا ہے، مثلاً ایک شخص کا سو روپیہ کا نقصان ہوا اور دوسرے کا ہزار روپیہ ضائع ہوا، تو نقصان کس کا زیادہ ہوا؟

ایک شخص کی کتاب جل گئی دوسرے کی والدہ دریا میں ڈوب گئی، اب نقصان کس کا زیادہ ہوا؟ کتاب تو دوبارہ مل جائے گی مگر والدہ نہ ملے گی۔

انسان سانسوں کی جس نعمت کو ضائع کر رہا ہے اس نعمت نے دوبارہ نہیں ملنا ہے۔ ہر انسان کو ایک زندگی ملی ہے۔ اسی ایک زندگی میں اس نے سعادت کا گوہر نایاب حاصل کرنا ہے۔ اگر وہ محروم رہا تو دوبارہ زندگی نہیں ملے گی۔

آپ کو شکار کھیلنے کے لئے صرف ایک تیر دیا گیا ہے۔ جو آپ نے نشانے پر لگانا ہے۔ اگر آپ نے وہ تیر ضائع کر دیا تو آپ کو قسمت آزمائی کے لئے دوسرا تیر ہرگز نہیں دیا جائے گا۔

انسان نہایت قیمتی لمحوں کو گھٹیا کاموں میں صرف کر رہا ہے۔ جو شخص اشرفیاں دے کر کوئلے خریدے، جواہرات دے کر سنگریزے خریدے، پھول دے کر کانٹے خریدے، سونا دے کر ٹھیکریاں خریدے۔ وہ نفع میں ہے یا نقصان میں؟ ہے کوئی غور کرنے والا

وہ شخص نفع میں ہے یا نقصان میں.....؟

3...... ایک مسافر عصر کے وقت اپنی منزل مقصود کی طرف پیٹھ کر کے بھاگ رہا ہے، سورج ڈوب رہا ہے اور یہ مسافر ہر لحہ اپنی منزل سے دور ہو رہا ہے وہ مسافر جو عصر کے وقت اپنی منزل کی طرف پشت کر کے بھاگ رہا ہو وہ نفع میں ہے یا نقصان میں؟

زندگی کا سورج غروب ہو رہا ہے اور ہم آخرت کی طرف پشت کر کے دنیا کمانے میں مصروف ہیں۔ آخرت کو بھلا کر دنیا کماتے کماتے جب ہم یکدم قبر کی اندھیری کوٹھڑی میں پہنچیں گے تو ہمارا حال کیا ہوگا۔

سو کے اٹھا تو ہر سو اندھیرا ہے
جانا تھا بہت دور پر شام کر بیٹھا

4...... بعض بزرگوں نے انسانی غفلت کے سبب پیش آنے والے خسارے کو ایک مثال کے ذریعے یوں بیان کیا ہے۔

ایک حسین وجمیل بادشاہ کا دربار لگا ہے۔ ملکی صورتحال پر گفتگو ہو رہی ہے۔ وزراء، بادشاہ کے حسنِ شکل اور حسنِ عقل کی تعریفیں کر رہے ہیں۔ ایک بھکاری نے اندر آنے کی

اجازت طلب کی، بادشاہ نے بھکاری کو اندر بلا لیا۔ بھکاری نے بادشاہ کو ایک آئینہ بطور تحفہ پیش کیا، بادشاہ بھکاری کے اس تحفے سے بہت خوش ہوا اور اس نے بھکاری سے کہا:

" آج رات عشاء سے فجر تک تمہیں اجازت ہے تم جتنا سونا چاہو میرے خزانے سے اٹھا کر لے جا سکتے ہو، لیکن اذان فجر کے بعد تمہیں میرے محل میں داخل ہونے کی اجازت نہ ہوگی۔"

بھکاری اس عنایت سے بہت خوش ہوا اور دل ہی دل میں کہنے لگا، میں راتوں رات اتنا خزانہ اٹھا کر لے جاؤں گا کہ پھر کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنے کی ضرورت نہ رہے۔

عشاء کے بعد وہ بھکاری بادشاہ کے محل میں داخل ہوا، محل کی اندرونی سجاوٹ دیکھ کر حیران ہوا، ایک کمرے کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ کچھ دیر کے لئے رک گیا، ریشمی پردے، مخملیں فرش، قیمتی پلنگ اور اعلیٰ بستر دیکھ کر وہ سوچنے لگا۔ ابھی کافی رات باقی ہے۔ کیوں نہ کچھ دیر اس قیمتی پلنگ پر آرام کر لوں۔ چنانچہ وہ سو گیا اور رات بھر سویا رہا۔

بھکاری نیند کے مزے لوٹ رہا تھا اور قسمت آنسو بہا رہی تھی۔ آئندہ ساری زندگی کے سکھ چین کو تھوڑی دیر کے آرام پر قربان کر رہے ہو۔ اس وقت آرام نہ کرتے بلکہ خزانہ اٹھانے میں مصروف رہتے تو آئندہ ساری زندگی آرام سے گزارتے، قسمت روتی رہی، فقیر سوتا رہا۔

ادھر مسجد کے میناروں سے اذانِ فجر کی صدا بلند ہوئی، اور ادھر بادشاہ کے ملازموں نے آ کر فقیر کو جگایا، اور محل سے باہر نکالنے لگے، فقیر واویلا کرنے لگا کہ میں نے ابھی خزانہ اٹھانا ہے، تم کیوں مجھے باہر نکالتے ہو، بادشاہ کے نوکروں نے جواب دیا۔

"تمہیں خزانہ جمع کرنے کے لئے جو وقت دیا گیا تھا وہ وقت ختم ہو گیا ہے، تم نے وہ قیمتی وقت سو کر گنوا دیا ہے۔"

الغرض وہ بھکاری روتا چلاتا رہا، اور نوکروں نے اسے محل سے باہر نکال دیا، وہ بھکاری خالی ہاتھ آیا تھا اور خالی ہاتھ چلا گیا۔ اس کی مجرمانہ غفلت نے اسے کچھ بھی حاصل نہ کرنے دیا۔

اے غافل انسان!

تیرے خالق نے تجھے آخرت کے لئے نیک اعمال کا خزانہ اکٹھا کرنے کی مہلت دی ہے۔ خیال رکھنا کہیں تمہارا انجام اس بھکاری جیسا نہ ہو جس نے خزانہ جمع کرنے کی مہلت کو غفلت میں گزار دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اے خالق و مالک!

تجھے ہمارے ساتھ جو محبت ہے اس محبت کا واسطہ

ہمیں شیطان اور نفس کی قید سے آزاد فرما

ہمارے دلوں کو اپنے عشق کی چاشنی نصیب فرما

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نقصان سے بچنے کا طریقہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سورۃ العصر میں نفع ونقصان کا حقیقی تصور پیش کیا گیا ہے، ارشاد فرمایا: زمانے کی قسم ہر انسان نقصان میں ہے، مگر وہ انسان نقصان سے بچ گئے ہیں جن میں چار صفات پائی جاتی ہیں۔

1............ایمان 2............عمل صالح

3............ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت

4............ایک دوسرے کو صبر کی تلقین

ان میں سے پہلی دو صفات کا تعلق انسان کی انفرادی وذاتی زندگی سے ہے، جبکہ تیسری اور چوتھی صفت کا تعلق قومی واجتماعی زندگی کے ساتھ ہے۔ قرآن مجید نے جب انسان کی فلاح کا نسخہ بیان کیا ہے تو ایک ہی آیت میں انفرادی واجتماعی، ذاتی وقومی بیماریوں کا علاج بتادیا ہے۔ نیز اس آیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسلام رہبانیت کا قائل نہیں ہے۔ وہ یہ تعلیم نہیں دیتا کہ انسان معاشرتی زندگی سے کٹ کر کلیساؤں اور گرجوں میں جا بیٹھے اور ہر دم تسبیحات پڑھتا رہے، تب عبادت ہوگی۔ اس آیت کی رو سے پتہ چلتا ہے کہ معاشرہ میں اپنا مثبت کردار ادا کرنا بھی عبادت ہے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

تیسری اور چوتھی صفت کا انفرادی اصلاح کے ساتھ بھی گہرا تعلق ہے، جب تک کوئی شخص حق کی اشاعت میں اپنا کردار ادا نہیں کرتا اس کی شخصیت نامکمل رہتی ہے۔ مختصراً یوں سمجھیں کہ انفرادی اصلاح بھی اس وقت مکمل ہوتی ہے۔ جب انسان معاشرتی زندگی میں مثبت کردار ادا کرے۔ اور اگر وہ معاشرتی ذمہ داریوں سے راہ فرار چاہتا ہے تو پھر ابھی تک اس کی انفرادی اصلاح ہی مکمل نہیں ہوئی۔ لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ اس سورۃ مبارکہ میں مذکورہ چاروں صفات کو اپنائیں تا کہ ظاہری وباطنی طور پر، ذہنی وعملی طور پر ایک مکمل مسلمان کی

حیثیت سے زندگی بسر کرسکیں۔

اس آیت مبارکہ پر غور وفکر کرتے ہوئے یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اس آیت نے کامیابی کے لئے جو چار صفات بیان کی ہیں۔ان کو کس ترتیب سے بیان کیا ہے، اور اس ترتیب میں حکمت کیا ہے؟

وہ دوصفات پہلے ذکر کی ہیں جن کا تعلق خالصتاً انفرادی اصلاح کے ساتھ ہے، اور وہ دو صفات بعد میں ذکر کی ہیں جن کا تعلق قومی اصلاح کے ساتھ ہے، گویا اس ترتیب نے یہ درس دیا ہے کہ دوسروں کی اصلاح کرنے سے پہلے اپنی اصلاح کر لینی چاہیے، دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے خود اس نصیحت پر عمل کرنا چاہیے۔ دوسروں کو سچ بولنے کی تلقین کرنے سے پہلے خود سچ بولنا چاہیے۔خود پانی پیتے ہوئے دوسروں کو روزہ رکھنے کی نصیحت نہیں کرنی چاہیے، اگر کوئی شخص اپنی اصلاح کی پرواہ کئے بغیر دوسروں کو نصیحت کرے گا تو جگ ہنسائی کا سبب ہوگا، دوسروں کو نصیحت خود میاں فضیحت۔

جب انسان اپنی اصلاح کر کے دوسروں کی اصلاح کے لئے کوشش کرے گا تو پھر اس کی بات میں وزن ہوگا۔اور دوسروں پر اس کی نصیحت اثر کرے گی۔

حضرت شاہ توکل انبالویؒ بڑے ولی اللہ تھے۔ایک قاری صاحب دور دراز کے علاقہ سے آپ کی زیارت کے لئے آئے۔نماز عشاء کے وقت وہ آپ کے آستانہ عالیہ پر پہنچے اور نماز عشاء آپ کی اقتداء میں ادا کی، حضرت شاہ توکل انبالویؒ نے سادہ انداز میں قرآن مجید کی تلاوت فرمائی، (حروف کو مخارج سے ادا نہ کیا) قاری صاحب بڑے حیران ہوئے اور سوچنے لگے اتنے بڑے پیر صاحب کو قرآن مجید بھی قرأت سے پڑھنا نہیں آتا۔چنانچہ قاری صاحب نے ارادہ کیا کہ صبح نماز فجر کی امامت میں خود کراؤں گا۔قرآن مجید قرأت سے سناؤں گا۔تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ قرآن پاک کس طرح پڑھا جاتا ہے۔

قاری صاحب اذانِ فجر کے وقت بیدار ہوئے اور غسل کرنے کے لئے گاؤں سے

قریب ایک ندی پر گئے۔ قاری صاحب غسل کر رہے تھے کہ ندی کے کنارے پڑے ہوئے کپڑوں پر ایک شیر آ کے بیٹھ گیا، اب قاری صاحب پریشان تھے کہ میں نے جا کر نماز فجر کی امامت کروانی ہے۔ وقت بھی تھوڑا ہے اور شیر ندی سے باہر بھی نہیں نکلنے دے رہا۔ اب کیا کروں؟

قاری صاحب اسی پریشانی میں تھے، کیا دیکھا کہ حضرت شاہ توکل انبالوی" خراماں خراماں آ رہے ہیں۔ آپ نے آ کر شیر کو پاؤں سے ٹھوکر ماری اور فرمایا:

"جا، بھاگ جا، قاری صاحب کو نہ روک اس لئے کہ انہوں نے جا کر نمازِ فجر کی امامت کروانی ہے۔"

شیر بھاگ گیا، حضرت صاحب اپنے رستے پر چل پڑے، قاری صاحب نے ندی سے نکل کر کپڑے پہنے اور حضرت صاحب کے پیچھے بھاگ پڑے، قدموں میں آ گر گرے، اور عرض کی! میرے دلی ارادے کی آپ کو کیسے خبر ہوئی؟ اور آپ نے یہ طاقت کہاں سے حاصل کی ہے کہ جنگل کا بادشاہ (شیر) آپ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔

حضرت شاہ توکل انبالویؒ فرمانے لگے:

"تم لوگوں نے اپنی زبان کو درست کیا ہے اور ہم فقیروں نے اپنے دل کو درست کیا ہے۔ تم نے زبان کی اصلاح کی ہے اور ہم نے دل کی اصلاح کی ہے۔"

حضرت سلطان باہوؒ نے ارشاد فرمایا:

زبانی کلمہ ہر کوئی پڑھدا دل دا پڑھدا کوئی ہو
دل دا کلمہ عاشق پڑھدے کی جانن یار گلوئی ہو

جب انسان دل سے کلمہ پڑھے، اور اس کے تقاضوں کو پورا کرے تو پھر اس کی زبان میں اثر پیدا ہوتا ہے۔ سورۃ العصر میں قومی ذمہ داریوں کے ذکر سے پہلے انفرادی اصلاح کو

اس لئے بیان کیا ہے کہ انفرادی اصلاح کے ذریعے انسان قومی اصلاح کرنے کے قابل ہو جائے۔

"انفرادی اصلاح کا طریقہ کار"

ذاتی اصلاح کے لئے انسان کی سوچ کا درست ہونا ضروری ہے جب تک سوچ درست نہ ہو کردار درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کردار ہمیشہ سوچ ہی سے بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ " سُوْرَۃُ الْعَصْرِ "میں انفرادی اصلاح کے لئے پہلے ایمان کا ذکر کیا اور بعد میں عمل صالح کا ذکر کیا۔ جب تک ایمان درست نہ ہوگا عمل درست نہیں ہو سکتا۔ ایمان جتنا پختہ ہوگا عمل اتنا ہی پختہ اور پر خلوص ہوگا۔ ایمان جتنا کمزور ہوگا انسان اسی قدر بے عملی کا شکار ہوگا۔ مثلاً

ہمارا پختہ ایمان ہے کہ آگ جلاتی ہے اس لئے ہم نے کبھی آگ کا انگارہ اپنے ہاتھ پر نہیں رکھا۔ اسی طرح اگر ہمارا ایمان پختہ ہو کہ گناہوں کی آگ بھی جلاتی ہے تو ہم کبھی بھی اپنی روح پر گناہ کے انگارے نہ رکھیں۔ ہمیں اپنا احتساب کرتے ہوئے دیکھنا چاہیے کہ ہمیں ایمان کی کون سی کیفیت حاصل ہے ہم اپنے آپ کو مومن سمجھتے ہیں لیکن کیا خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی ہم مومن ہیں یا نہیں؟

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ایمان اور عمل کا آپس میں کتنا گہرا رشتہ ہے اسے ایک مثال کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔ حضرت امام غزالی نے کسی بزرگ کے حوالے سے یہ واقعہ نقل فرمایا ہے۔ "ایک شیخ کامل اپنی خانقاہ کے تمام درویشوں پر شفقت فرماتے تھے۔ لیکن ایک درویش کے ساتھ خصوصی محبت فرماتے تھے، بعض دوسرے درویشوں نے اس خصوصی محبت کا سبب پوچھا تو شیخ

کامل نے اس کا جواب اس طرح دیا کہ چند مرغ منگوائے ،تمام درویشوں کو ایک ایک مرغ دیا۔اور ایک ایک چھری پکڑا دی۔پھر فرمایا کہ جاؤ اپنے اپنے مرغ کو ذبح کر کے لاؤ۔لیکن مرغ کو اس جگہ ذبح کرنا جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو۔

سارے درویش چلے گئے ،اور تھوڑی دیر بعد اپنے اپنے مرغ ذبح کر کے لے آئے۔ آخر میں وہ درویش آیا۔جس کے ساتھ شیخ کامل کو خصوصی محبت تھی۔لیکن حیرت کی بات تھی کہ اس درویش نے مرغ ذبح نہیں کیا۔ بلکہ زندہ مرغ واپس لے آیا ہے۔ دوسرے درویشوں نے اعتراض کیا اور کہنے لگے:

یا شیخ ! دیکھیں آپ اس سے محبت بھی زیادہ کرتے ہیں اور اس نے آپ کے حکم کی تعمیل میں مرغ بھی ذبح نہیں کیا۔

شیخ کامل نے اس درویش سے پوچھا کہ تم نے مرغ کیوں ذبح نہیں کیا۔تو اس نے جواباً عرض کیا:............یا شیخ!

آپ نے فرمایا تھا کہ مرغ کو اس جگہ ذبح کرنا جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو، میں مرغ کو اس لئے ذبح نہیں کر سکا کہ مجھے کوئی ایسی جگہ نہیں ملی جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو۔ میں سب انسانوں کی نگاہوں سے تو چھپ گیا لیکن خدا تعالیٰ کی نظر سے نہ چھپ سکا،اس لئے مرغ ذبح نہیں کیا۔

یہ جواب سن کر شیخ مسکرائے اور دوسرے درویشوں سے فرمانے لگے:

"میں اس درویش سے اس لئے زیادہ محبت کرتا ہوں کہ اس کا ایمان تمہاری نسبت زیادہ قوی ہے۔"

دوسرے درویش بھی خدا تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے۔لیکن انہیں ایمان کی وہ کیفیت حاصل نہ تھی جو اس درویش کو حاصل تھی۔لہٰذا دوسرے مرغ ذبح کر لائے،اور اس نے مرغ ذبح نہ کیا۔معلوم ہوا کہ ایمان میں جتنا حسن ہوگا عمل میں اتنا ہی حسن ہوگا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مگر وہ لوگ جو ایمان لائے

****

......ایمان......

"ایمان"

لغوی طور پر ایمان امن سے نکلا ہے، جس کے معنی امن میں ہونا اور امن دینا ہیں۔ یہ لفظ دو طرح استعمال ہوتا ہے۔

1...... امن بہ یقین کرنا

2...... امن لہ تصدیق کرنا......اعتماد کرنا

مومن کے معنی ہوں گے ماننے والا، تصدیق کرنے والا، یقین کرنے والا۔

ایمان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و معبودیت، نبی اکرم ﷺ کی رسالت[1] و ختمِ نبوت اور آخرت کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنا۔

ایمان کی ضرورت کیا ہے...... ؟

انسان اس عالم رنگ و بو میں آنکھ کھولتا ہے، سِن شعور کو پہنچتا ہے تو سوچتا ہے میں کون ہوں، کہاں سے آیا ہوں، میں نے کہاں جانا ہے، اور یہاں کیوں آیا ہوں؟ یہ کائنات کیا ہے، کب سے ہے اور کب تک رہے گی ؟

ان سوالات کا یقینی جواب ہم اپنے حواس خمسہ سے ہرگز معلوم نہیں کر سکتے، اس لئے کہ ہمارے حواس کی استعداد محدود ہے۔ آنکھ ایک حد تک دیکھ سکتی ہے۔ اس حد سے آگے نہیں دیکھ سکتی۔ اسی طرح دیگر حواس کی صلاحیت بھی محدود ہے۔ ہم اپنے حواسِ خمسہ کے ذریعے نہ پیدائش سے پہلے کے جہان کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ موت کے بعد آنے والے جہان کی خبر لا سکتے ہیں۔ اس مقام پر انسان بے بس ہو جاتا ہے۔ اور اسے اپنی ابتداء و انتہاء

[1] ایمان بالرسل، ایمان بالکتب، ایمان بالملائکہ اور ایمان بالآخرۃ، یہ سب آنحضرت ﷺ پہ ایمان لانے کے ضمن میں ہی شامل ہیں۔

کی کوئی خبر نہیں ملتی۔ بقول شاعر

نہ ابتداء کی خبر ہے نہ انتہا معلوم
رہا یہ وہم کہ ہم ہیں سو یہ بھی کیا معلوم

اس مقام پر قدرت نے انسان کو بے یارومددگار نہیں چھوڑا بلکہ چند نفوس قدسیہ (انبیاء) کو منتخب کیا۔ اور انہیں وحی کے ذریعے ابتداء وانتہاء کا یقینی علم دیا۔

اور انہیں حکم دیا کہ کائنات کی ابتداء وانتہاء کا یہ علم دوسرے انسانوں تک پہنچادیں۔ لہٰذا انبیاء نے وہ علم دوسرے انسانوں تک پہنچایا۔

انسان اپنی اور کائنات کی حقیقت جاننے کے لئے مضطرب اور بے چین تھا۔ انبیاء سے ملنے والی تعلیمات کے ذریعے انسان کا اضطراب، بے سکونی اور بے چینی ختم ہوگئی۔ اپنی ابتداء اور انتہاء کے متعلق صحیح ترین علم حاصل کر لینے کے بعد انسان کو ذہنی سکون اور قلبی امن مل گیا۔ یہی داخلی امن ایمان کا نتیجہ اور پھل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان کا لفظ امن ہی سے نکلا ہے۔

عقیدہ توحید اور اس کی دلیل

نبی آخرالزماں ﷺ اور دوسرے انبیاء نے یہ علم دیا ہے کہ انسان اور کائنات ہمیشہ سے نہیں ہیں۔ اور نہ ہی خود بخود تخلیق ہوئے ہیں۔ بلکہ ان کو تخلیق کرنے والی ایک قادر مطلق ہستی ہے۔ اور اس ہستی کا نام "اللہ "تبارک وتعالیٰ ہے۔ وہ واحد و یکتا ہے صرف وہی عبادت کے لائق ہے، نہ کسی کا بیٹا ہے نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کوئی اس کا ہم سر ہے۔

اسلام نے جس وقت یہ نظریہ توحید پیش کیا اس وقت خدا کے متعلق دنیا میں مختلف نظریئے پائے جاتے تھے۔

۱......چین کے لوگ بدھ مت کے قائل تھے۔ گوتم بدھ کے پیروکار تھے۔

۲......ایران کے لوگ آتش پرست تھے، دو خداؤں کے قائل تھے۔ نیکی کے خدا کو

یزداں اور برائی کے خدا کو اہرمن کہتے تھے۔

۳......عیسائی تین خداؤں کے قائل تھے۔

۴......ہندوستان میں ہر کام کے لئے جدا جدا خدا تھا۔ جنگ کا خدا جدا تھا، امن کا خدا جدا تھا۔ فتح کا خدا اور شکست کا خدا اور تھا۔ سفر کا خدا اور تھا حضر کا خدا اور تھا۔

۵......یہی حال عرب کا تھا، وہاں بھی جھوٹے خداؤں کی بھر مار تھی۔ بیت اللہ شریف میں ۳۶۰ بت پڑے ہوئے تھے۔ اشرف المخلوقات انسان کی پیشانی بتوں کے سامنے جھکتی تھی۔ بعض اہل عرب جب سفر پہ جاتے تو ستو کو خدا بنا کر ساتھ لے جاتے۔ جب پیاس کی شدت تنگ کرتی تو خدا کو پیالے میں ڈال کر پانی میں ملا کر پی جاتے اور کہتے پیاس کے وقت خدا (یعنی ستو) نے پیاس بجھادی ہے۔

نبی آخر الزماں ﷺ نے بھٹکتی ہوئی انسانیت کو راہِ ہدایت دکھائی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عبادت کے لائق صرف ایک خدا ہے اور وہ اس کائنات کا خالق و مالک ہے۔

آپ ﷺ نے جب عقیدہ توحید پیش کیا تو لوگوں نے اس پر دلیل طلب کی۔ آج بھی عقیدہ توحید پر دلیل طلب کی جاتی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں ذات وحدہ لاشریک پر بے شمار دلائل موجود ہیں۔ ان سب دلائل کو چھوڑتے ہوئے صرف ایک عام فہم دلیل عرض کر رہا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ انسان خود ہی اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلیل ہے۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ دلیل ہی دلیل مانگ رہی ہے۔ ہم خود ہی اس کی ذات پر دلیل تھے اور ہم ہی نے اس کی ذات پر دلیل مانگنا شروع کر دی۔ جب کوئی انسان خدائے واحد کی ذات پر دلیل مانگتا ہے تو روحِ فطرت پکار اٹھتی ہے۔

"تو ہی تو میری دلیل تھا اور تو ہی دلیل مانگ رہا ہے۔"

انسان اگر اپنی ذات پر ہی غور و فکر کرے تو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لے آئے۔ ایک انسان کے اندر کتنے نظام پائے جاتے ہیں، رگوں کا نظام، شریانوں کا نظام، دورانِ خون کا

نظام، خوراک ہضم کرنے کا نظام، اعصابی نظام، سانس لینے کا نظام، اسی طرح باطنی و پوشیدہ نظام بھی ہیں، سوچ کا نظام، فکر کا نظام، خیال کا نظام، وہم کا نظام، تخیل کا نظام، ذوق کا نظام، وجدان کا نظام، حافظے کا نظام، دماغ و شعور کا نظام، خواہش کا نظام، غصے کا نظام

ایک انسان اور کتنے نظام

کیا یہ سارے نظام خود بخود بن گئے ہیں اور خود بخود چل رہے ہیں۔ یا انہیں کوئی چلا رہا ہے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ فطرتی طور پر ہو رہا ہے۔ یہ جہاں اور اس کی ہر چیز فطرتی طور پر ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ فطرت کیسے بن گئی ہے؟ فطرت خود بخود نہیں بنی بلکہ اسے ایک فاطر نے بنایا ہے۔ اور وہ

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے۔

پھر وہ لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا آپ نے اس فاطر کو دیکھا ہے۔ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ہم نے اسے دیکھا نہیں ہے۔ اس جواب پر وہ لوگ بڑے خوش ہوتے ہیں اور احساسِ فخر سے لبریز ہو کر کہتے ہیں، جب آپ نے اسے دیکھا نہیں تو اسے مانتے کیوں ہو؟ ماننے کے لئے دیکھنا ضروری ہے۔ اگر خدا موجود ہوتا تو ضرور نظر آتا۔ چونکہ نظر نہیں آتا، لہٰذا موجود ہی نہیں ہے۔

آکسفورڈ یونیورسٹی میں ایک پروفیسر لیکچر دیتے ہوئے کہتا ہے۔ جو شے نظر نہ آئے اسے ماننا مشکل ہے۔ ہم خدائے واحد کو اس لئے نہیں مانتے کہ وہ نظر نہیں آتا۔ ایک ذہین طالب علم کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

سر! آپ کا بیان کردہ نظریہ غلط ہے۔ آپ نے یہ قاعدہ پیش کیا ہے کہ ہم اس شے کو نہیں مانتے جو نظر نہ آئے۔ اس قاعدہ کی رو سے یہ بتائیں کہ آپ کے پاس عقل ہے؟

پروفیسر صاحب نے جواب دیا کہ ہاں میرے پاس عقل ہے۔ شاگرد نے پھر سوال کیا

، کیا آپ نے اپنی عقل دیکھی ہے۔ اگر دیکھی ہے تو ذرا ہمیں بھی عقل دکھائیں۔

اس سوال پر پروفیسر انگشت بدنداں رہ گیا۔ اور کہنے لگا، میرے پاس عقل تو ہے مگر دکھا نہیں سکتا۔

اس جواب پر شاگرد نے کہا، اگر آپ عقل کو دیکھے بغیر مانتے ہیں تو ہم خدا کو دیکھے بغیر کیوں نہیں مان سکتے؟ معلوم ہوا ماننے کے لئے دیکھنا ضروری نہیں۔

معترضین کے اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی پیدائشی نابینا یہ کہے کہ اس دنیا میں سورج نام کی کوئی چیز موجود نہیں اور دلیل یہ دے کہ مجھے سورج نظر نہیں آتا لہٰذا سورج موجود ہی نہیں، تو کیا اس کا نظریہ درست ہوگا؟

ہرگز نہیں! اس لئے کہ سورج تو موجود ہے اور نظر والے اسے دیکھتے ہیں، نابینا کو اگر سورج نظر نہیں آتا تو اس کی اپنی نظر کا قصور ہے۔ سورج کا کوئی قصور نہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے لیکن اسے دیکھنے کے لئے خاص نظر کی ضرورت ہے۔ خدائے واحد کے منکرین کے لئے مذکورہ جواب اہل علم کا جواب ہے لیکن اہلِ محبت کا جواب کچھ اور ہے۔

معترض نے اعتراض کیا۔ تم نے خدا کو دیکھا نہیں تو اسے مانتے کیوں ہو؟ اہل محبت نے جواب دیا۔ ہم نے خدا کو نہیں دیکھا۔ لیکن اسے دیکھا ہے جس نے خدا کو دیکھا ہے۔ ہم نے خدا کو نہیں دیکھا لیکن خدا نما دیکھا ہے۔ محبوبِ خدا دیکھا ہے، مظہرِ نورِ خدا دیکھا ہے، حضور ﷺ خدا تعالیٰ کو جانتے ہیں اور ہم حضور کو مانتے ہیں۔

میںڈا عشق وی توں میںڈا یار وی توں
میںڈا دین وی توں میںڈا ایمان وی توں

قرآن مجید نے اسی اندازِ فکر کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا۔

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۱۳۷)

"اگر لوگ صحابہ کرامؓ کی طرح ایمان لائیں تو ہدایت یافتہ ہیں۔"

اب دیکھنا یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کس طرح کا ایمان لائے تھے۔ جسے معیار قرار دیا گیا ہے۔ اس معیار کو جاننے کے لئے ہمیں دوسری امتوں اور صحابہ کرامؓ کے ایمان کا تقابلی جائزہ لینا ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو دعوت توحید دی۔ قوم نے جواب دیا۔

لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً

(سورۃ البقرۃ ،آیت نمبر ۵۵)

(جب تک ہم خدا کو ظاہراً دیکھ نہیں لیتے آپ پر ایمان نہیں لائیں گے)

حضرت موسیٰ ۷۰ افراد کو ساتھ لے کر کوہ طور پر تشریف لے گئے۔ دیدار خداوندی کی دعا مانگی، ایک صفاتی تجلی کے عکس سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا۔ ۷۰ افراد مر گئے۔ اور حضرت موسیٰ بے ہوش ہو گئے۔ بعد ازاں آپ کو ہوش آئی۔ اور وہ ۷۰ مردے آپ کی دعا سے زندہ ہوئے۔

ایک طرف حضرت موسیٰ نے قوم کو دعوت توحید دی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ظاہراً دیکھنے کی شرط رکھی۔ دوسری طرف تاجدار انبیاء نے قوم کو دعوت توحید دی تو

حضرت صدیق اکبر ایمان لے آئے — حضرت فاروق اعظم ایمان لے آئے
حضرت عثمان غنی ایمان لے آئے — حضرت علی المرتضیٰ ایمان لے آئے
حضرت مصعب بن عمیر ایمان لے آئے — حضرت مغیرہ بن شعبہ ایمان لے آئے
حضرت عثمان بن طلحہ ایمان لے آئے — حضرت خالد بن ولید ایمان لے آئے
حضرت عباس ایمان لے آئے — حضرت جعفر طیار ایمان لے آئے
حضرت بلال حبشی ایمان لے آئے — حضرت صہیب رومی ایمان لے آئے

لیکن کسی صحابیؓ نے یہ سوال نہیں کیا کہ پہلے رب تعالیٰ کا دیدار کروائیں پھر ہم ایمان

لائیں گے۔ صحابہ کرامؓ نے یہ شرط کیوں نہیں رکھی۔ اس لئے کہ ان کا عقیدہ تھا۔

دیکھنے والے تو کہتے ہیں اللہ اللہ
یاد آتا ہے خدا دیکھ کے صورت تیری

صحابہ کا ایمان تھا:

دسّے صورت راہ ربّ دی صورت دا
توبہ را کہ عین حقیقت دا
کم تکیں بے سوجھت دا
کوئی دریاں موتی لے تریاں

بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث پاک ہے۔ تاجدارِ انبیاء نے ارشاد فرمایا:

من رانی فقد رای الحق

جس نے مجھے دیکھا اس نے حق تعالیٰ کو دیکھا۔

(بخاری شریف کتاب التعبیر باب من رای النبی ﷺ فی المنام، قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۰۳۶)

مولانا شاہ احمد رضا خاںؒ نے اس حدیث پاک کا ترجمہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

کشف راز "مَــنْ رَآنِــی" یوں ہوا
تم ملے تو حق تعالیٰ مل گیا

مختصراً یہ ہے کہ

حضور ﷺ کی زیارت — حق کی زیارت
حضور ﷺ کی اطاعت — حق کی اطاعت
حضور ﷺ کی تعلیمات — حق کی تعلیمات
حضور ﷺ کا اقرار — حق کا اقرار
حضور ﷺ کا انکار — حق کا انکار

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

کوئی انسان اپنے حواس کی مدد سے اللہ تعالیٰ کو جان نہیں سکتا۔لہٰذا فلاح ونجات اسی میں ہے کہ ہم اس ہستی کو مان لیں جو ہستی خدا تعالیٰ کو جانتی ہے۔انہیں ماننے سے خدا تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوگی۔

نورِ ایمان کا انسانی شخصیت پر اثر

انسان اپنی ابتداء اور انتہا جاننے کے لئے بے چین تھا۔ابتداء کی نسبت انتہا جاننے کے لئے زیادہ مضطرب تھا۔وہ یہ سوچتا تھا کہ میرا انجام کیا ہوگا۔مر کے مٹی ہو جاؤں گا یا کسی اور مرحلے سے گزروں گا۔بقول شاعر

خرد مندوں سے کیوں پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
مجھے یہ فکر رہتی ہے کہ میری انتہا کیا ہے

نبی کریم ﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے آخرت کا تصور کچھ اس طرح واضح کیا۔

انسان اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اور اس نے ایک دن اپنے رب کے روبرو حاضر ہونا ہے۔وہ رب جو سب کچھ دیکھنے اور سننے والا ہے اور اس سے انسان کا کوئی فعل چھپا ہوا نہیں۔جس سے انسان کا کوئی مقصد اور نیت بھی مخفی نہیں۔وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔اس علیم وخبیر کے روبرو حاضر ہو کر انسان نے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔اگر نیک اعمال زیادہ ہوئے تو نعمتوں کا گھر ملے گا اور اگر گناہ زیادہ ہوئے تو دوزخ میں جا کر اپنے اعمال کی سزا بھگتنا پڑے گی۔جس شخص نے قیامت کے دن رب تعالیٰ کے ساتھ ہونے والی ملاقات کو یاد رکھا وہ صراطِ مستقیم پر گامزن رہا۔اور جس نے اس ملاقات کو بھلا دیا وہ نیکی کی شاہراہ سے بھٹک کر

گناہوں کی دلدل میں پھنس گیا۔

قرآن مجید کے پارہ نمبر ۱۱ سورۃ یونس آیت نمبر ۴۵ میں ارشاد فرمایا:

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاءِ اللّٰهِ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ

ترجمہ: وہ لوگ گھاٹے میں رہے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا انکار کیا اور وہ ہدایت یافتہ نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اعمال کی جوابدہی کے احساس نے انسانی شخصیت پر بڑے مثبت اثرات مرتب کئے ہیں۔ اس نورِ ایمان سے عرب کی تاریکی دور ہوگئی۔ جو لوگ بچیوں کو زندہ درگور کرتے تھے اب وہی بچیوں سے محبت کرنے لگے۔ جو غلاموں کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کرتے تھے اب وہی غلاموں پر شفقت کرنے لگے۔

آئندہ صفحات میں چند ایسے واقعات لکھے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ نورِ ایمان نے انسانی شخصیات پر کیا اثرات ڈالے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایمان افروز واقعات

پہلا واقعہ

ایک صحابیؓ اپنے غلام کو مار رہے تھے۔ پیچھے سے آواز آئی:

"تم بھی کسی کے خطا کار غلام ہو"

صحابی نے مڑ کے دیکھا تو نبی کریم ﷺ کھڑے تھے۔ فرمایا:

تمہیں خیال نہیں آتا کہ جس طرح یہ شخص تمہارا غلام ہے۔ اسی طرح تم بھی کسی کے غلام ہو۔ جس طرح تم اس کے آقا ہو اسی طرح تمہارا بھی کوئی آقا ہے۔ جس طرح یہ تمہارے سامنے بے بس ہے تم بھی کسی کے سامنے بے بس ہو۔ (اوکما قال)

یہ سن کر صحابی اپنے عمل پر نادم ہوا۔ آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے اور اپنے غلام کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگا۔

دوسرا واقعہ

سید الانبیاء ﷺ کی محفل پاک سجی ہوئی ہے۔ صحابۂ کرامؓ نگاہوں کے کشکول لئے بیٹھے ہیں اور شہِ خوباں ﷺ اپنے جلوؤں کی خیرات عطا فرما رہے ہیں۔ صحابۂ کرامؓ اپنی جھولیاں پھیلا کر بیٹھے ہیں اور مدینۃ العلم علم وحکمت کے موتی لٹا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اے صحابہؓ سنو! تمہارا رب ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔

وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ.(آیت)

تم جہاں کہیں بھی ہو وہ (رب) تمہارے ساتھ ہے۔

ترجمہ: ہر لمحہ ہر لحظہ ہر گھڑی تمہارا خدا تمہارے ساتھ ہے۔ تم جو عمل بھی کرتے ہو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

ایک صحابی نے بڑی معصومیت سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! میں جب دورِ جاہلیت میں گناہ کرتا تھا تو کیا اس وقت بھی میرا رب مجھے دیکھتا تھا"۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں! اس وقت بھی تمہارا رب تمہیں دیکھتا تھا۔

یہ جواب سن کر وہ صحابی شرمندگی کے پسینے سے شرابور ہو گیا، سوچ کے سمندر میں ڈوب گیا۔ سوچنے لگا۔ میں جب گناہ کرتا تھا تو میرا رب کس طرح مجھے دیکھتا ہوگا۔ وہ کتنے حوصلے والا ہے کہ میری نافرمانیوں کے باوجود اپنی نعمتوں کا سلسلہ روکا نہیں ہے۔ میں قیامت کے دن اس مہربان کا سامنا کیسے کروں گا۔

اس خیال کے آنے کی دیر تھی کہ اس صحابیؓ کی روح، جسم کے پنجرے میں تڑپنے لگی، دل پر غم اور درد کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ روح جسم سے جدا ہو گئی۔

تاجدارِ انبیاء ﷺ کی مبارک آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سارے اہلِ محفل زار و قطار رونے لگے، کیسا سماں تھا کہ محبوبِ خدا ﷺ کی محفل میں تمام بندگانِ خدا، اپنے خدا کی یاد میں رو رہے ہیں اور اپنے خدا کے قریب سے قریب تر ہو رہے ہیں۔

تیسرا واقعہ

جناب عمر ابن الخطابؓ دراز قد اور سرخ و سفید رنگت کے مالک تھے، چہرہ بڑا بارعب تھا، کسی میں جرأت نہ تھی کہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے، جب آپ کو غصہ آتا تو یوں محسوس ہوتا جیسے سمندر میں طوفان آ گیا ہے۔ یہی عمر ابن الخطاب جب میخانہ مصطفےٰ ﷺ میں آئے تو چشمِ ساقی کوثر نے عمرؓ کو خرید لیا۔ اپنا بنا لیا

جو نگاہ اٹھی تو اٹھی رہی جو نظر جھکی تو جھکی رہی
اس کشمکش میں ہی دوستو! مجھے کوئی اپنا بنا گیا

مکے والوں نے دیکھا کہ عمر ابن الخطابؓ کی دنیا ہی بدل گئی۔ ہر وقت غصہ سے سرخ رہنے والی آنکھیں اب عشقِ مصطفےٰ ﷺ میں تر رہنے لگیں۔ اور راتیں یادِ محبوب ﷺ میں

بسر ہونے لگیں۔ سیدنا فاروقِ اعظم کے دورِ خلافت میں چشمِ فلک نے یہ منظر دیکھا:

امیر المؤمنین سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ کی گلی سے گزر رہے ہیں، ایک مکان کے اندر سے قرآن مجید پڑھنے کی آواز آئی۔ آپؓ رک گئے اور اپنے خالق و مالک کا کلام سننے لگے۔ قاری قرآن پڑھتا رہا، آپؓ سنتے رہے، دل کے سمندر میں درد کے طوفان اٹھتے رہے اور آنکھوں سے اشکوں کی بارش ہوتی رہی۔ قاری نے یہ آیت پڑھی۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ ☆ مَّالَهٗ مِنْ دَافِعٍ

(سورۃ الطور ، آیت نمبر ۷)

بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے، اسے کوئی روکنے والا نہیں۔

آپؓ نے یہ آیت سنی تو ایک سرد آہ بھری۔ اب کھڑے رہنے کی طاقت نہ رہی، ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ سینہ پگھلنے لگا، آنسوؤں کی رفتار تیز ہوگئی۔

آہ!! کوئی فاروقِ اعظمؓ سے پوچھے کہ کونسا درد، دل میں چھپا رکھا ہے۔

قربان جائیں۔ ان گرم گرم آنسوؤں پر جو سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں سے نکل رہے تھے۔ سرخ رخساروں پر نیلے نشان بنا رہے تھے اور فرشتے ان موتیوں کو رشک سے دیکھ رہے تھے۔

امیر المؤمنین میں اتنی طاقت نہ رہی کہ وہاں سے اٹھ سکیں۔ صحابہ کرامؓ وہاں سے اٹھا کر لائے، گھر پہنچایا، کئی دن آپؓ بسترِ علالت پر رہے، بستر پر آپؓ کی ہر کروٹ خوفِ خدا سے معمور رہی۔

چوتھا واقعہ

مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
ہمدرد سارے جسم کی کس قدر ہوتی ہے آنکھ

رات کی سیاہ زلفیں ہر سو پھیل رہی ہیں۔ مسلمانوں کا امیر اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی تیاری میں مصروف ہے، یہ وہ امیر ہے جو دن کے وقت اپنی فوج کی سپہ سالاری کرتا ہے اور رات کے وقت اپنی رعایا کی چوکیداری کرتا ہے۔ امیر المؤمنین سیدنا فاروقِ اعظم ؓ اپنے مکان سے نکلے اور مدینہ منورہ کی گلیوں میں گشت کرنا شروع کیا۔ ایک مکان کے قریب سے گزرے تو اندر سے بچوں کے رونے کی آواز آئی۔ دیوار سے جھانک کر دیکھا تو حیران ہوئے۔ ایک عورت نے چولہے پر خالی ہنڈیا رکھی ہوئی ہے اور بچوں کو تسلی دے رہی ہے کہ ابھی ہنڈیا تیار ہوگی تو تمہیں کھانا دوں گی۔ جناب فاروقِ اعظم ؓ نے فرمایا: اے خاتون! چولہے پر خالی ہنڈیا رکھ کر بچوں کو جھوٹی تسلی کیوں دیتی ہو۔ وہ عورت رو کر کہنے لگی۔ میں اپنے بچوں کو جھوٹی تسلی دینے کے علاوہ اور کیا کر سکتی ہوں گھر میں کھانے کے لئے کوئی چیز نہیں۔ اور دوسری طرف ہمارے امیر المومنین کو ہمارا کوئی خیال نہیں ہے کہ ہم کس طرح فاقے کاٹ رہے ہیں۔

اس عورت کی یہ حالت دیکھ کر فاروقِ اعظم ؓ گھر واپس آئے۔ اپنے غلام سے کہا کہ آٹے کی بوری میرے کندھوں پر رکھ دو۔ غلام نے عرض کیا۔ جہاں آپ نے یہ بوری پہنچانی ہے مجھے حکم فرمائیں میں خود پہنچا آتا ہوں۔ امیر المومنین نے جواب دیا:

"قیامت کے دن رعایا کی بھوک کی باز پرس مجھ سے ہوگی تم سے نہیں ہوگی"۔

اور پھر چشمِ فلک نے یہ منظر دیکھا کہ مسلمانوں کا امیر اپنے کندھوں پر بوری اٹھا کر لے جا رہا ہے۔ اس خاتون کو آٹا اور دوسرا اناج دینے کے بعد آپ ؓ نے فرمایا:

اے بہن! عمر کو معاف کر دو۔ قیامت کے دن عمر کی شکایت رب کی بارگاہ میں نہ کرنا۔

اس عورت نے خوش ہو کر کہا۔ میں عمر ؓ کو معاف کرتی ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عمر کی جگہ امیر المومنین بنائے۔ آپ ؓ مسکرائے اور واپس چلے آئے۔ اس عورت کو معلوم نہ ہو سکا کہ یہی امیر المومنین ؓ ہیں۔ کیونکہ آپ ؓ نے چہرے پہ نقاب ڈالا ہوا تھا۔

اے خدا ......!

وہ چھپ کر نیکیاں کرنے والے

تیرے سچے بندے آج کی دنیا میں کہاں ہیں

پانچواں واقعہ

پاکیزہ خون کا اثر

آج رات بھی حسب معمول فاروقِ اعظمؓ مدینہ منورہ کی گلیوں میں گشت فرما رہے ہیں۔رات کا آخری پہر ہے۔ایک مکان سے باتوں کی آواز آئی۔آپؓ مکان کے قریب گئے،ماں اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی کہ دودھ میں پانی ملاؤ۔بیٹی نے جواب دیا کل امیرالمومنین نے دودھ میں پانی ملانے سے منع کیا ہے۔ماں نے کہا "عمر دیکھ تو نہیں رہا" بیٹی نے کہا۔"عمر تو نہیں دیکھ رہا لیکن عمر کا رب تو دیکھ رہا ہے"۔

امیرالمومنین نے اس گھر پہ نشان لگایا۔صبح اس گھر کے مالک کو اپنے دربار میں بلایا،وہ دوڑتا ہوا آیا کہ نجانے کیا قصور ہوا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے رات کا واقعہ سنایا اور اس سے درخواست کی کہ اپنی بیٹی کا نکاح میرے بیٹے عاصم سے کر دو۔اس شخص نے یہ رشتہ پسند کیا۔اور یوں اس پاک فطرت دوشیزہ کا نکاح حضرت عاصمؓ سے کر دیا گیا۔اس سے جو بچی پیدا ہوئی وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی والدہ تھی۔

گویا عمر بن عبدالعزیز اس عظیم خاتون کے نواسے ہیں جس نے دودھ میں پانی ملانے سے انکار کر دیا تھا۔

کہتے ہیں خون کا اثر کئی نسلوں تک باقی رہتا ہے۔شاید یہی وجہ ہے عمر بن عبدالعزیزؒ کا دل خوف خدا کے جذبات سے لبریز رہتا تھا۔

ایک رات آپؒ چراغ جلا کر سرکاری کام کرنے میں مصروف تھے۔ایک شخص ملاقات

"وَالْعَصْرِ" کی قسم اٹھا کر اس سورۃ مبارکہ میں ایک بڑی دردناک حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ارشاد فرمایا"اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ "بیشک انسان خسارے میں ہے۔انسانی خسارے کو بڑی تاکید سے ذکر کیا ہے۔"اِنَّ" تاکید کے لئے ہے۔"لَفِیْ" میں"لام" "تاکید کے لئے ہے۔"فِیْ" بھی تاکید کا معنی پیدا کر رہا ہے۔یعنی انسان خسارے میں ڈوبا ہوا ہے۔اور"خُسْرٍ" کی تنوین اظہارِ عظمت کے لئے ہے۔

اسی لئے امام فخر الدین رازی نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ عَظِیْمٍ لَا یَعْلَمُ کُنْهَهٗ اِلَّا اللّٰهُ.

ترجمہ: انسان بہت بڑے نقصان میں ہے،اس نقصان کی حقیقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(تفسیر کبیر تحت سورۃ العصر مکتبہ حقانیہ پشاور ۲۷۹/۳۲)

"اَلْاِنْسَانَ" سے مراد

1......لفظ "اَلْاِنْسَانَ" میں الف لام جنسی ہو تو اس سے مراد جنسِ انسان ہے۔یعنی تمام انسان خسارے میں ہیں،سوائے ان خوش نصیبوں کے جنہوں نے نقصان سے بچانے والی صفات اپنا لیں۔

2......لفظ "اَلْاِنْسَانَ" کا الف لام عہدی ہو تو اس سے مراد چند خاص افراد ہیں مثلاً ولید بن مغیرہ،عاص بن وائل،اسود بن عبد المطلب،ابولہب اور ابوجہل وغیرہ۔کیونکہ (معاذ اللہ،نقل کفر کفر نہ باشد) یہ لوگ کہتے تھے حضرت محمد ﷺ نقصان میں ہیں۔تو اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھا کر جواب دیا۔

حضور ﷺ کو خسارے میں کہنے والے خود خسارے میں ہیں۔

دل میں کہنے لگے۔ الحمدللہ! اس کا ایمان بہت پختہ ہے۔ پھر خیال آیا، اس چرواہے کے ایمان کا تھوڑا سا امتحان لینا چاہیے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا:

اے چرواہے سنو! میں تمہیں ایک طریقہ بتاتا ہوں، اس میں میرا بھی فائدہ ہے، اور تمہارا بھی فائدہ ہے۔ ایسا کرو کہ ایک بکری میرے ہاتھ فروخت کر دو، مجھے بھی فائدہ ہوگا کہ اسے سفر میں ساتھ رکھوں گا جب بھوک لگے گی اس کا دودھ پی لیا کروں گا۔ اور تمہیں یہ فائدہ ہوگا کہ بکری کے پیسے مل جائیں گے۔ اب جہاں تک مالک کا تعلق ہے تو جب وہ اس بکری کے متعلق پوچھے تو تم کہہ دینا کہ اسے بھیڑیا کھا گیا۔ مالک کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ تم نے بکری بیچ دی ہے۔ جب یہ تدبیر اس چرواہے نے سنی، فوراً بول اٹھا:

یَا ھٰذَا فَاَیْنَ اللّٰہُ ۔ (ترجمہ) پھر اللہ کہاں گیا؟

چرواہا کہنے لگا۔ مالک تو نہیں دیکھ رہا، مالک حقیقی تو دیکھ رہا ہے، اس مالک حقیقی کو کیا جواب دوں گا۔

سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے یہ جواب سنا تو بہت خوش ہوئے۔ اس چرواہے کا ماتھا چوما، اس مفلس چرواہے کے ایمان کی پختگی سے مسرور ہو کر چل دیئے اور اپنی بھوک کا خیال بھول گئے۔

ساتواں واقعہ

ہزار خوف ہو لیکن زبان ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لئے پورے مصر کے جادوگر جمع کیے۔ اور انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شکست دینے کا کام سپرد کیا۔ ان جادوگروں نے کہا، اگر ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے تو ہمیں اس کا صلہ ملے گا یا نہیں؟ فرعون نے کہا تمہیں ضرور صلہ ملے گا اور میں تمہیں اپنے مقربین میں شامل کرلوں گا۔ چنانچہ دولت

اور حکومت کے لالچ میں جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

مقابلہ کی جگہ اور وقت کا تعین ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وقتِ مقررہ پر تشریف لے آئے۔ اور جادوگروں کو مقابلہ کی دعوت دی۔ انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر رکھ دیں۔ وہ رسیاں اور لاٹھیاں چھوٹے چھوٹے سانپ بن گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک زمین پہ رکھا تو وہ عصا بہت بڑا اژدھا بن گیا۔ اور اس نے جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپ نگلنا شروع کر دیئے۔ جادوگروں پر نبوت کا رعب اور صداقت ثابت ہو گئی اور وہ ایمان لے آئے۔

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِينَ ☆ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ☆ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ☆

(سورۃ الشعراء، آیت نمبر ۴۶ تا ۴۸)

اس پر سارے جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور بول اٹھے کہ "مان گئے ہم رب العالمین کو موسیٰ اور ہارون کے رب کو۔

فرعون کے بلائے ہوئے جادوگروں نے جب اسلام قبول کر لیا تو فرعون آگ بگولا ہو گیا اور غصے میں کہنے لگا:

فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ☆

(سورۃ الشعراء: ۴۹)

ترجمہ: ابھی تمہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا دوں گا اور تم سب کو سولی چڑھا دوں گا۔

مخالف سمتوں سے ہاتھ پاؤں کٹوا کر جان سے مار دینے کی دھمکی ان نومسلموں کے

لئے بہت بڑی دھمکی تھی۔ لیکن نورِ ایمان سے ان کا سینہ معمور تھا۔ انہوں نے فرعون کی دھمکی کا کچھ اثر نہ لیا اور سینہ تان کر کہنے لگے۔

قرآن مجید میں سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر ۷۲،۷۳ میں آتا ہے۔ فرعون کی دھمکی سن کر جادوگروں نے کہا:

ترجمہ: "جادوگروں نے جواب دیا قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہم روشن نشانیاں سامنے آجانے کے بعد بھی (صداقت پر) تجھے ترجیح دیں۔ تو جو کچھ کرنا چاہے کر لے۔ تو زیادہ سے زیادہ بس اسی دنیا کی زندگی کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ ہم تو اپنے رب پر ایمان لائے ہیں تا کہ وہ ہماری خطائیں معاف فرمائے اور اس جادوگری سے جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا درگزر فرمائے۔ اللہ ہی اچھا ہے اور وہی باقی رہنے والا ہے۔"

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ وہ جادوگر جب کافر تھے تو دولت کے پجاری تھے اور دولت کی خاطر نبی ﷺ کا مقابلہ کرنے آئے تھے لیکن جب ایمان لے آئے تو اب اللہ تعالیٰ کے نام پر اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ گویا کفر انسان کو بزدل اور لالچی بناتا ہے اور ایمان انسان کو بہادر بناتا ہے اور جذبۂ قربانی عطا کرتا ہے۔ چند لمحے پہلے وہ جادوگر جب کافر تھے تو لالچی تھے اور فرعون سے ڈرتے تھے۔ لیکن نورِ ایمان نے اتنی طاقت دی کہ اب فرعون کے سامنے کلمۂ حق کہہ رہے ہیں اور اپنی جان دینے کے لئے تیار کھڑے ہیں۔

بر تر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

آٹھواں واقعہ

"کروں تیرے نام پہ جاں فدا"

مسلم شریف کی متفق علیہ حدیث پاک ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے۔

پہلے زمانے میں ایک بادشاہ تھا جس نے دربار میں ایک جادوگر کو اپنا مقرب بنایا ہوا تھا۔ جب وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ معلوم نہیں کب جان نکل جائے۔ لہٰذا تو کوئی لڑکا مقرر کر دے جسے میں جادو سکھا دوں تاکہ میرے بعد وہ لڑکا تیری خدمت کرتا رہے۔ بادشاہ نے ایک لڑکے کو اس جادوگر کا شاگرد بنا دیا۔ وہ لڑکا ہر روز جادوگر کے پاس جادو سیکھنے کے لئے جاتا۔ جس راستے وہ لڑکا جادوگر کے پاس جاتا تھا اس راستے میں ہر روز ایک راہب کے ساتھ اس کی ملاقات ہوتی تھی۔ وہ لڑکا اس راہب سے متاثر ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آیا اب ہر روز وہ لڑکا جادوگر کے پاس جاتے ہوئے کچھ دیر راہب کے پاس بیٹھتا اور دین کی باتیں سیکھتا۔ ایک روز وہ راہب کے پاس جا رہا تھا کہ راستے میں ایک درندے نے اس پر حملہ کیا۔ اس لڑکے نے زمین سے پتھر اٹھا کر اس درندے کو مارا اور دعا کی اے اللہ! اگر وہ راہب تیرا مقبول بندہ ہے تو اس درندے کو ہلاک کر دے۔ چنانچہ وہ درندہ ہلاک ہو گیا۔ اور وہ لڑکا مستجاب الدعوات ہو گیا۔ اب اس کی دعا سے نابینے اور کوڑھے ٹھیک ہونے لگے، بادشاہ کا ایک درباری نابینا تھا۔ اس لڑکے نے دعا کی تو نابینے درباری کو نظر مل گئی۔ چنانچہ لڑکے کے کہنے پر درباری نے کفر چھوڑ کر خدائے واحد کا کلمہ پڑھ لیا۔ جب وہ درباری بادشاہ کے پاس آیا تو بادشاہ نے پوچھا کہ تجھے یہ نظر کیسے مل گئی۔ اس نے کہا میرے رب نے دی ہے۔ بادشاہ نے کہا میرے علاوہ تیرا رب کون ہے؟ اس نے کہا میرا رب وہ ہے جو آسمان و زمین کا مالک حقیقی ہے۔ بادشاہ کو غصہ آیا، اس نے اپنے درباری پر ظلم و ستم کیا اور پوچھنے لگا، "تمہیں خدائے واحد کا کلمہ کس نے پڑھایا ہے؟" درباری نے لڑکے کا نام بتا دیا۔ بادشاہ نے لڑکے سے پوچھا تو اس نے راہب کا نام بتا دیا۔ بادشاہ نے راہب کو بلا لیا، راہب پر ظلم و ستم کیا اور کہا، کلمۂ توحید چھوڑ دو۔

اس راہب نے کہا "جان دے سکتا ہوں ایمان نہیں دے سکتا"

بادشاہ نے اس راہب کے سر پر آرا چلا دیا۔اس راہب کا جسم دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔جسم سے گرنے والا ہر قطرہ خون یہ آواز دیتا تھا۔

جان دی ، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

بادشاہ نے اپنے درباری کو بھی قتل کروا دیا۔پھر لڑکے کے متعلق اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے بلند پہاڑ کی چوٹی سے زمین پر گرا دو۔وہ سپاہی اس لڑکے کو لے کر پہاڑ پر چڑھنے لگے، لڑکے نے دعا کی، زلزلہ آیا، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔سارے سپاہی مارے گئے۔اور وہ لڑکا صحیح سلامت بچ گیا،اور واپس بادشاہ کے دربار میں چلا آیا۔بادشاہ نے پوچھا،سپاہی کدھر گئے ہیں۔لڑکے نے بتایا" تیرے سپاہیوں کو میرے رب کے قہر و غضب نے تباہ و برباد کر دیا ہے۔"بادشاہ کو غصہ آیا،اس نے دوسرے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس لڑکے کو سمندر میں غرق کر دو،سپاہیوں نے لڑکے کو کشتی میں بٹھایا اور سمندر میں کشتی چلانے لگے،جب کشتی گہرے پانی میں پہنچی تو لڑکے نے دعا کی ، وہ کشتی ٹوٹ گئی،تمام سپاہی غرق ہو گئے ،اور وہ لڑکا صحیح سلامت ساحلِ سمندر پر آ گیا اور پھر بادشاہ کے دربار میں آ کر بتایا۔تم نے مجھے ڈبونے کے لئے جو سپاہی بھیجے تھے،انہیں میرے رب نے غرق کر دیا ہے۔بادشاہ یہ خبر سن کر بڑا پریشان ہوا۔اس لڑکے نے کہا:

اے بادشاہ! تو اگر مجھے قتل کرنا چاہتا ہے،تو میں تجھے ایک طریقہ بتاتا ہوں،تو اگر اس طریقے سے مجھے قتل کرے گا تو میں مر جاؤں گا۔بادشاہ نے پوچھا وہ کون سا طریقہ ہے،اس لڑکے نے جواب دیا:"تمام اہلِ شہر کو اکٹھا کر لو کھجور کے ڈھنڈ کے ساتھ مجھے باندھ دو، میں تمہیں ایک تیر دیتا ہوں،اُس تیر کو باسمِ ربّ الغلام (اس لڑکے کے رب کے نام سے) پڑھ کر چلا دینا،وہ تیر مجھے لگے گا تو میری جان نکل جائے گی۔"

چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا،بادشاہ نے تمام اہلِ شہر کو جمع کر کے اس لڑکے کو کھجور کے

ڈھنڈ کے ساتھ باندھا اور "بِاِسمِ ربّ الغلام" کہہ کر تیر چلایا، وہ تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا، لڑکے نے وہاں ہاتھ رکھا اور جان نکل گئی۔

یہ منظر دیکھ کر اہلِ شہر کی کثرت ایمان لے آئی۔ اور لا الٰہ الّا اللہ پڑھنے لگے، بادشاہ کو سخت غصہ آیا۔ اس نے خندق کھدوائی اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ جو بھی کلمہ پڑھے اسے بڑھکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔

چشمِ فلک نے یہ منظر دیکھا کہ سینکڑوں آدمیوں کو اس آگ میں ڈالا گیا۔ لیکن کسی نے جان بچانے کے لئے کلمۂ حق کو چھوڑا نہیں ہے۔ سب نے جان دے دی مگر ایمان نہیں دیا۔ سنگدل سپاہی ایک عورت کو پکڑ کر لائے، اسے آگ میں ڈالنے لگے، اس عورت کی گود میں معصوم بچہ بھی تھا، وہ عورت کچھ دیر کے لئے رکی، تو معصوم بچہ بولنے لگا:

"اے میری ماں! تو سچے دین پر ہے جان دینے سے نہ ڈر"

اس عورت کو معصوم بچے سمیت دھکتی آگ کے شعلوں میں ڈال دیا گیا:

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور جنہوں نے صالح عمل کئے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

" عمل صالح کی تعریف "

عام طور پر عملِ صالح کا ترجمہ "نیک عمل" کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس لفظ میں بہت گہرائی پائی جاتی ہے۔ عربی زبان میں "عمل" اور "فعل" دو قریب المعنی لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ ان میں ایک لطیف سا فرق یہ ہے کہ "فعل" کسی بھی کام کو کہہ سکتے ہیں، خواہ اسے بجالانے کے لئے محنت کرنی پڑے یا نہ کرنی پڑے لیکن عمل کا اطلاق عام طور پر محنت طلب اور مشقت طلب کام پر ہوتا ہے (خواہ معمولی محنت ہو۔) دوسرا فرق یہ ہے کہ فعل بغیر ارادہ کے بھی ہوسکتا ہے لیکن عمل بغیر ارادہ کے نہیں ہوتا۔ علمائے لغت نے اس فرق کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اَلعَمَلُ کُلُّ فِعلٍ یَکُوْنُ مِنَ الْحَیوَانِ بِقَصْدٍ فَھُوَ اَخَصُّ مِنَ الْفِعلِ لِاَنَّ الفِعلَ قَدْ یُنسَبُ اِلَی الْحَیوَانَاتِ الَّتِیْ یَقَعُ مِنْھَا فِعلٌ بِغَیْرِ قَصْدٍ۔

(المفردات)

صالح سے مراد وہ چیز ہے جس میں ترقی اور نشو ونما کی استعداد موجود ہو لٰہذا

1 ...... عملِ صالح وہ عمل ہے جو انسان کے لئے حقیقی ترقی اور نشو ونما کا سبب ہو۔

2 ...... عملِ صالح وہ عمل ہے جو انسان کو اُن روحانی بلندیوں تک پہنچائے، جن تک پہنچنے کی انسان میں قوت رکھی گئی ہے یا پھر یوں کہہ لیں کہ جن بلندیوں تک پہنچنے کی انسان میں قوت رکھی گئی ہے۔ ان تک پہنچنے کے لئے انسان کو جو اعمال مدد دیں انہیں اعمالِ صالحہ کہتے ہیں اور جو عمل اس مقام تک پہنچنے کے لئے رکاوٹ ہوا سے "عمل سوء" کہتے ہیں۔

3 ...... ہر وہ عمل جو قربِ خداوندی حاصل کرنے کا ذریعہ بنے عملِ صالح ہے۔

عمل صالح کی اہمیت

اسلام ایک عمارت ہے، ایمان بنیاد ہے، عملِ صالح دیواریں اور چھت ہے۔ کوئی بھی

عمارت اسی وقت مکمل ہوتی ہے جب بنیاد بھی پختہ ہو اور اس بنیاد پر دیواریں اور چھت بھی موجود ہوں۔ جس طرح بنیاد کے بغیر عمارت نہیں بن سکتی اسی طرح چھت اور دیواروں کے بغیر بھی عمارت مکمل نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص کسی عمارت کی دیواریں اور چھت گرا دیتا ہے۔ تو گویا وہ عمارت کو ہی گرا رہا ہے۔ جو شخص اعمالِ صالحہ چھوڑ دیتا ہے گویا وہ دین کی عمارت کو گرا رہا ہے۔ اسی لئے تاجدارِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا

مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ فَقَدْ ھَدِمَ الدِّیْنَ.

جس نے نماز چھوڑ دی اس نے دین کی عمارت کو منہدم کر دیا۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اعمالِ صالحہ چھوڑنے سے انسان کافر نہیں ہو جاتا۔ کافر تب ہو گا جب ایمان میں خلل آئے گا۔ کسی شخص کا ایمان درست ہے، عمل درست نہیں تو اس کی مثال اس طرح ہے کہ اس شخص نے دین کی عمارت بنانا چاہی لیکن صرف بنیاد بنا کر چھوڑ دی اور اس بنیاد پر دیواریں نہیں بنائی ہیں۔ اس نے اپنے دین کی عمارت مکمل تو نہیں کی۔ لیکن صرف بنیادیں بنانے کا ضرور فائدہ ہو گا۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے بھی کوئی شخص کافر نہیں ہوتا بلکہ مسلمان ہی رہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی شخص کا ایمان درست ہے، عقائد صحیح ہیں لیکن ایمان کے مطابق عمل درست نہیں ہے۔ تو اس صحیح العقیدہ بے عمل شخص کو کافر نہیں کہا جائے گا بلکہ وہ مسلمان ہی رہے گا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اعمالِ صالحہ کے بغیر ہی وہ نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ جنہیں اعمالِ صالحہ کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ اس بات کو ایک مثال کے ذریعے یوں سمجھا جا سکتا ہے۔

مجھے سخت بخار ہے، میں ڈاکٹر سے دوائی لے کر آتا ہوں، دوائی کو استعمال نہیں کرتا بلکہ میز پہ رکھ دیتا ہوں، میں مانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے دوا میں شفا رکھی ہے لیکن کیا دوا استعمال کئے بغیر صرف یہ عقیدہ رکھنے سے مجھے شفا مل جائے گی، ہرگز نہیں، اسی طرح میرا عقیدہ ہے کہ پانی پینے سے پیاس بجھ جاتی ہے لیکن کیا پانی پیئے بغیر صرف یہ عقیدہ رکھنے سے پیاس

بچ جائے گی۔؟ میرا عقیدہ ہے کہ نماز پڑھنے سے ثواب ملتا ہے۔لیکن کیا نماز پڑھے بغیر صرف مذکورہ عقیدہ رکھنے سے مجھے نماز پڑھنے کا ثواب مل جائے گا؟ اور وہ کیفیات حاصل ہو جائیں گی جو نماز پڑھنے سے حاصل ہوتی ہیں؟

ہاں صحیح عقیدے کا اتنا فائدہ ضرور ہو گا کہ انسان کا حشر اقرار کرنے والوں میں ہو گا، انکار کرنے والوں کے ساتھ نہیں ہو گا، لیکن عمل نہ کرنے کی وجہ سے سزا کا مستحق ضرور ہو گا (یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو سزا کے بغیر اپنی رحمت سے بخش دے۔۔)

قرآن مجید میں عمل صالح کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے عمل صالح کی اہمیت واضح کرنے کے لئے قرآن مجید میں جابجا ایمان کے ساتھ عمل کا ذکر فرمایا ہے۔تاکہ ان دونوں کا باہمی تعلق واضح ہو جائے مثلاً

1......وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ.

اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہی جنت والے ہیں۔

(سورۃ البقرۃ:۸۲)

2......فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ.

(سورۃ الانبیاء۔۹۴)

جو کوئی نیک عمل کرے اور وہ مومن بھی ہو تو اس کی کوشش اکارت نہ ہو گی اور ہم اس کے نیک عمل لکھتے جاتے ہیں۔

3......اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا.

(سورۃ مریم : ۶۰)

لیکن جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے تو وہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کا ذرا سا حق بھی مارا نہ جائے گا۔

4......اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا۔

(سورۃ الکھف: ۱۰۷)

بے شک جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کی مہمانی کے لئے باغ فردوس ہیں

5......وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ ۔

(سورۃ النور: ۵۵)

تم میں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو زمین کا مالک بنائے گا۔

6......اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔

(سورۃ الحجرات، آیت نمبر ۱۵)

ایماندار وہی ہیں جو ایمان لے آئے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر پھر کبھی شک نہ کیا، جہاد کرتے رہے، اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ۔ اللہ کی راہ میں

قرآن مجید کی بہت سی آیات میں ایمان اور عمل صالح کو اکٹھے ذکر کیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اے مالک حقیقی......!

ہمارے دل کی بنجر زمین کو زرخیز بنادے

تاکہ ایمان کا بیج نشو ونما پائے اور عمل صالح کے پھول کھلیں۔

عمل کا باعث

عمل کے باعث سے مراد وہ وجہ یا محرک ہے جس سے انسان عمل کرتا ہے۔

عموماً تین چیزیں عمل کا محرک اور باعث بنتی ہیں۔

(1)......ضروریات (2)...... خواہشات (3)......جذبات

ضروریات

وہ چیزیں جن کے بغیر انسانی زندگی ناممکن و مشکل ہے مثلاً خوراک، لباس اور مکان یہ تین چیزیں انسان کی بنیادی ضرورت ہیں، خوراک نہ ملے تو جسم کو زندہ رہنے کے لئے مطلوبہ توانائی نہیں ملتی اور انسان مرجاتا ہے۔ اس طرح موسمی اثرات کی شدّت سے بچنے کے لئے لباس اور مکان کی ضرورت ہے۔ انسان کو ضرورت پوری کرنے کے لئے پیسہ کمانا پڑتا ہے۔ پیسہ کمانے کے لئے ملازمت کرنی پڑتی ہے۔ تو ملازمت کا عمل ضرورت کی وجہ سے کیا گیا۔

خواہشات

خواہش اور ضرورت میں فرق یہ ہے کہ ضروریات کے بغیر زندگی ناممکن ہے لیکن خواہشات پوری کئے بغیر زندہ رہنا ممکن ہے۔ مثلاً خوراک انسانی ضرورت ہے، کوئی بھی خوراک مل جائے، اس سے یہ ضرورت پوری کی جاسکتی ہے۔ چاہے دال ساگ ملے یا مرغ ملے۔ لیکن خواہش تقاضا کرے گی کہ دال نہ ملے مرغ ملے۔

لباس ایک ضرورت ہے یہ ضرورت ۲۵ روپے گز ملنے والے کپڑے کے ساتھ بھی پوری ہوسکتی ہے۔ لیکن خواہش یہ ہے کہ انسان ۲۵ روپے گز ملنے والے کپڑے کی بجائے ۸۰ روپے گز ملنے والا کپڑا خریدے۔ لہٰذا بہت سے عمل ضرورت کی بجائے خواہش کے تحت کئے جاتے ہیں۔

جذبات

اللہ تعالیٰ نے انسانی شخصیت میں جذبات کا پہلو رکھا ہے مثلاً محبت، ہمدردی، حسد، رشک، غیرت، غصہ، جذبہ انتقام وغیرہ وغیرہ اکثر اوقات انسان جذبات کے کہنے پر عمل کرتا ہے مثلاً غصہ آیا تو کسی کو تھپڑ مار دیا، کسی سے ہمدردی ہوئی تو کسی کی کوئی ضرورت پوری کر دی۔

یاد رکھنے والی بات

جو شخص ضروریات کو پورا کرنے پہ اکتفا کرے اور خواہشات و جذبات کو قابو میں رکھے وہ ایک کامیاب انسان ہے۔ اور جو شخص اپنی ہر خواہش اور ہر جذبے کا غلام بن گیا تو انسانیت کے مرتبہ سے گر جاتا ہے۔

دل کی آزادی، شہنشاہی، شکم سامانِ موت

آج کے انسان کا المیہ یہ ہے کہ وہ ضروریات کی حد سے نکل کر بے جا خواہشات اور ناروا جذبات کا غلام بن گیا ہے۔ انسان اپنی ہر خواہش اور جذبہ پورا کرنا چاہتا ہے، عام لباس ایک ضرورت ہے اور عمدہ لباس ایک خواہش ہے۔ انسان نے ضرورت پر اکتفا نہ کیا اور خواہش کے پیچھے دوڑ پڑا۔ لہٰذا خواہش پوری کرنے کے لئے اسے حرام مال کمانا پڑا۔ اگر انسان ضروریات پر اکتفا کرتا ہے تو عبادت کا وقت مل جاتا ہے۔ اور اگر خواہشات کے پیچھے دوڑتا ہے تو عبادت کا وقت بھی نہیں ملتا۔ گویا وہ انسان سچے خدا کی عبادت چھوڑ کر خواہش پرستی شروع کر دیتا ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ

وہ شخص جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔

(سورۃ الفرقان، آیت نمبر ۴۳)

یہی وجہ ہے کہ صوفیاء خواہشات سے بچتے ہوئے ضروریات پہ اکتفاء کرتے ہیں، یہاں حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر کا ایک واقعہ ہماری راہنمائی کے لئے کافی ہے۔

بابا صاحب کے سامنے دسترخوان بچھایا گیا، کھانا رکھا گیا، آپ نے بسم اللہ پڑھ کر لقمہ توڑا، لقمہ منہ کے قریب لے کر گئے، پھر واپس رکھ دیا، خدام نے پوچھا، حضور نے کھانا شروع کیوں نہیں کیا؟ آپؒ نے فرمایا، آج کھانا بوجھل محسوس ہوتا ہے، بتاؤ اسے کس طرح پکایا ہے، ایک خادم نے ساری تفصیل بیان کی کہ ہم کس طرح جنگل سے لکڑیاں لے کر آئے ہیں اور کس طرح دیگر اشیاء سے کھانا پکایا ہے۔ آپؒ نے پوچھا یہ بتاؤ نمک کہاں سے لائے تھے؟ خادم نے عرض کیا۔ آج لنگر خانے میں نمک ختم ہو چکا تھا۔ لہٰذا ہم نے پڑوسی سے کچھ روپے ادھار لے کر نمک خریدا ہے۔ آپؒ نے فرمایا کھانا اٹھا کر لے جاؤ۔ کیونکہ

فقیر بفاقہ بمیرند برائے لذتِ نفس قرض نہ گیرند

ترجمہ: فقیر فاقے سے مر جانا پسند کرتا ہے لیکن نفس کی لذت کے لئے قرض لینا پسند نہیں کرتا۔

(راحت القلوب)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خواہشات و جذبات کی اصلاح کا طریقہ

اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کا سچا غلام بن جائے تو بے جا خواہشات و جذبات کی غلامی سے نجات مل جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سچا مسلمان وہی ہے جو اپنی ذاتی خواہشات و جذبات کا غلام نہیں ہوتا بلکہ نبی کریم ﷺ کا غلام ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کا غلام بن کر خواہشات و جذبات کا خاتمہ نہیں کیا جاتا بلکہ خواہشات کا قبلہ درست کیا جاتا ہے۔ جذبات کا منہ توڑا نہیں جاتا موڑا جاتا ہے۔ یوں سمجھیں کہ اپنی خواہش پر آنحضرت ﷺ کی خواہش کا رنگ چڑھانا ہے۔ جب انسان اپنی خواہش کو خواہشِ مصطفےٰ ﷺ میں فنا کر دے گا تو پھر یہ تبدیلی آئے گی کہ پہلے خود عمدہ لباس پہننے کی خواہش تھی، پھر یہ خواہش پیدا ہو گی کہ دوسروں کو لباس پہنایا جائے۔ پہلے خود عمدہ کھانا کھانے کی خواہش تھی پھر یہ خواہش پیدا ہو گی کہ خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھانا کھلایا جائے۔

جب جذبات پر آنحضرت ﷺ کی محبت کا غلبہ ہو گا تو جذبات میں تبدیلی آئے گی۔ اگر پہلے دشمنوں سے انتقام لینے کا جذبہ تھا تو اب معاف کر دینے کا جذبہ پیدا ہو گا، اگر پہلے گالی کے بدلے گالی دینے کا جذبہ تھا تو اب گالیاں سن کر دعائیں دینے کا جذبہ پیدا ہو گا۔

لہٰذا اگر ہم اپنے اعمال کی اصلاح چاہتے ہیں تو پھر محبتِ رسول ﷺ میں فنائیت حاصل کرنا چاہیے تا کہ ہر خواہش اور ہر جذبہ آپ ﷺ کے رنگ میں رنگا ہوا ہو۔

فنا اتنا تو ہو جاؤں میں تیری ذاتِ عالی میں
جو مجھ کو دیکھ لے اس کو تیرا دیدار ہو جائے

بے عملی کے اسباب اور ان کا تدارک

عموماً انسان درج ذیل اسباب کی بناء پر بے عملی کا شکار ہو جاتا ہے۔

(۱)...... غفلت (۲)...... دنیا پرستی (۳)......عبرت پذیری کا فقدان

(۴)......ماحول (۵)......تن آسانی

(۱)...... غفلت

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: "تیرے اور نصیحت کے درمیان غفلت (بے توجہی) کا پردہ حائل ہے۔"

انسان آئے دن لوگوں کو اس دنیا سے رخصت ہوتے دیکھتا ہے۔ پھر بھی اسے یہ خیال نہیں آتا کہ ایک دن میں نے بھی اسی طرح رخصت ہونا ہے یہ جو میرے سامنے رخصت ہوا ہے، یہ کہاں گیا ہے؟ وہاں کیا ہوگا، مجھے وہاں کے لئے تیاری کرنی ہے؟ یہ سوال اگر اس کے دل میں نہیں اٹھتے تو اس کا دل غافل ہے، اگر لوگوں کو مرتے دیکھ کر بھی اس کے ذہن میں اپنی موت کا اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات کا خیال نہیں آتا تو یہی غفلت ہے۔ جس کی اسلام نے مذمت کی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ.

(سورۃ الانبیاء، آیت نمبر ۱)

ترجمہ: لوگوں کے حساب (کا وقت) قریب آ گیا ہے اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

ہم ہر لحہ دنیا سے دور اور اپنے حساب سے قریب ہو رہے ہیں۔ زندگی کم ہو رہی ہے اور موت قریب آ رہی ہے۔ کب آنکھ کھلے گی؟ شاید آنکھ اس وقت کھلے گی جب بند ہو گی۔

حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا:

"دنیا والے ان مسافروں کی طرح ہیں جنہیں قافلہ لئے جا رہا ہو اور وہ غافل سو رہے ہوں۔"

(2)......دنیا پرستی

بے عملی کا ایک سبب یہ ہے کہ انسان دنیا سے بے حد محبت کرتا ہے اور حد سے بڑھی ہوئی محبت اسے ہلاکت میں ڈال دیتی ہے۔

حضرت عمر بن عوفؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

"خدا کی قسم! میں تم پر فقر و فاقہ آ جانے سے نہیں ڈرتا بلکہ تمہارے معاملے میں مجھے خوف اس بات کا ہے کہ دنیا تم پر وسیع کر دی جائے جیسے وہ ان لوگوں پر وسیع کر دی گئی جو تم سے پہلے ہوئے۔ پھر تم اس میں رغبت کرنے لگو جیسی اس میں ان (پہلے) لوگوں نے کی تھی۔ اور (نتیجہ یہ ہو کہ) دنیا تمہیں ہلاک کر ڈالے جیسے اس نے اگلوں کو کیا تھا۔

(ترمذی شریف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"درہم و دینار اور شال کا بندہ تباہ ہوا۔ وہ منہ کے بل گرے، پھر سر کے بل الٹ جائے، اگر اس کو کوئی کانٹا چبھے تو کوئی اس کا کانٹا نہ نکالے۔

(ابن ماجہ)

حضرت عثمانؓ نے ارشاد فرمایا:

غمِ دنیا ...... دل کا اندھیرا ہے۔

غمِ آخرت ...... دل کا نور ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

" خواہشات پرستی ہلاک کر دینے والا ساتھی ہے۔ اور بُری عادت ایک زور آور دشمن ہے۔"

حضرت بایزید بسطامیؒ نے ارشاد فرمایا:

" جو شخص کثرتِ خواہشات سے اپنے دل کو مردہ بنا لے اُسے لعنت کے کفن میں لپیٹو۔ اور ندامت کی سرزمین میں دفن کر دو، اور جو شخص نفس سے باز رہے اُسے رحمت کے کفن میں لپیٹو اور سلامتی کی سرزمین میں دفن کر دو۔"

حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں:

" دنیا کا لفظ دنائت سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں خواری وذلت اور کمینگی۔ اس سے اندازہ لگا لو کہ دنیا کیا چیز ہے۔ حُبِّ دنیا ترک کر دو، اگر دنیا کی ذرا سی محبت بھی تمہارے دل میں ہوگی تو تم سجدہ کرنے میں بھی اسے فراموش نہ کر سکو گے"۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

" طلب دنیا سمندر کا پانی پینے کی مانند ہے۔ کہ جس قدر زیادہ پیتا ہے زیادہ ہی پیاس لگتی ہے۔"

حضرت غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" تم مشغول ہو ایسی شے جمع کرنے میں جسے کھا نہ سکو گے۔"

آرزو رکھتے ہو ایسی چیزوں کی جنہیں پا نہ سکو گے
تعمیر کرتے ہو ایسے مکان جس میں بس نہیں سکو گے

یہ سب باتیں تمہیں تمہارے رب کے مقام سے محجوب کرتی ہیں۔ (غفلت میں رکھتی ہیں۔

اگر انسان تیزی سے گزرنے والے وقت پر غور کرے تو اسے محسوس ہوگا کہ صبح، دوپہر، شام، رات پھر صبح، دوپہر، شام پھر صبح دوپہر، شام اور پھر دوسری رات، ہفتے، مہینے اور مہینے سال بن بن کر اڑ رہے ہیں۔ ہم دنیا حاصل کرنے میں لگے ہیں اور دنیا ہمیں ختم کرنے میں لگی ہوئی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی لئے ارشاد فرمایا:

"تو دنیا میں رہنے کے سامانوں میں لگا ہوا ہے اور دنیا تجھے اپنے سے نکالنے میں مصروف ہے"۔

حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"تو نفس کی تمنا پوری کرنے میں مصروف ہے اور نفس تجھے برباد کرنے میں مصروف ہے"۔

(3)......عبرت پذیری کا فقدان

ہم آئے دن دیکھتے ہیں کہ جھوٹ بولنے والا آخر کار ذلیل ہوتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ لالچی شخص لوگوں کی نگاہ سے گر جاتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ شرابی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ حرام کمائی کھا کر پلے ہوئے بچے نالائق نکلتے ہیں۔

کیا وجہ ہے کہ برائیوں کا انجام جاننے کے باوجود ہم بھی برائیوں کا شکار ہو جاتے ہیں ۔وجہ یہ ہے کہ ہمارے اندر عبرت پذیری کا فقدان ہے۔ ہم دوسروں کے برے انجام کو دیکھ کر خود اس برے انجام سے بچنے کی فکر نہیں کرتے۔ ہم اگر دوسروں سے عبرت حاصل کریں تو اصلاحِ نفس کا کام آسان ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جا بجا عبرت پکڑنے کا حکم دیا ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ.

ترجمہ: پس اے دانش مندو۔ عبرت حاصل کرو۔

(سورۃ الحشر آیت نمبر ۲)

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ.

پھر دیکھو کہ ان مجرموں کا کیا انجام ہوا۔

(سورۃ النمل ، آیت نمبر ۶۹)

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ.

(سورۃ النمل، آیت نمبر ۱۴)

ترجمہ: پس دیکھو کہ ان مفسدوں کیا انجام ہوا۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِيْنَ.

(سورۃ القصص، آیت نمبر ۴۰)

ترجمہ: پھر دیکھو کہ ان ظالموں کا کیا انجام ہوا۔

قرآن مجید کی طرح احادیث میں بھی عبرت پکڑنے کی تلقین کی گئی ہے۔

حضرت عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ (ثمود کی تباہ شدہ بستی) حجر کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ "تم ان لوگوں کے ٹھکانوں میں جنہوں نے ظلم کیا تھا روتے ہوئے داخل ہونا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہ مصیبت آجائے جوان پر آئی تھی پھر آپ نے سواری پر بیٹھے بیٹھے اپنی چادر سے منہ ڈھانپ لیا۔"

حضرت علیؓ کا فرمان ہے:"جس نے عبرت حاصل کی، اس نے حقیقت کو دیکھ لیا اور سمجھ گیا اور جو سمجھ گیا اسے علم حاصل ہو گیا"۔

حضرت فضیل عیاضؒ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمایئے انہوں نے پوچھا کہ تمہارا والد فوت ہو چکا ہے۔ اس نے کہا "جی ہاں" حضرت فضیلؒ نے فرمایا "جو شخص والد کی وفات دیکھنے کے بعد بھی وعظ و نصیحت کا محتاج ہے اسے کوئی نصیحت کارگر نہیں ہو سکتی"۔

(4)......برا ماحول

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ رسول خدا نے فرمایا:"ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی بنا لیتے ہیں یا عیسائی بنا لیتے ہیں۔"

اتنا بیان فرما کر آپؐ نے ایک مثال دی کہ جب چوپایہ بچہ پیدا کرتا ہے تو وہ بچہ کن کٹا نہیں ہوتا بلکہ صحیح سالم ہوتا ہے پھر بعد میں تم لوگ اس کا کان کاٹ کر اسے کن کٹا کر دیتے ہو

حضور ﷺ کے اس فرمان مبارک سے دو باتوں کی وضاحت ہوتی ہے۔

نمبر 1......انسان پیدائشی طور پر گناہگار نہیں ہے بلکہ جب وہ پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔

نمبر 2......ماحول انسان کو اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔

حضرت علیؓ نے برے لوگوں کی دوستی سے پرہیز کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

ا......نفس پرست کے ساتھ دوستی رکھنا ایمان کو فراموش اور شیطان کو حاضر کر دیتا ہے۔

۲......اگر کوئی قابل شخص دوستی کے لئے نہ ملے تو نااہل سے دوستی نہ کر۔

حضرت غوثِ اعظمؒ نے ارشاد فرمایا:

"تیرے سب سے بڑے دشمن تیرے برے ہم نشین ہیں"

انسان اپنے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا اپنے اعمال کی اصلاح کے لئے انسان کو برے ماحول سے بچنا چاہیے اور نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا چاہیے۔

(5)...... تن آسانی

نیکی اپنانے اور برائی چھوڑنے کے لئے انسان کو نفس کے ساتھ لڑنا پڑتا ہے اور بعض اوقات اپنے معاشرہ کی بری رسومات کے خلاف جنگ کرنا پڑتی ہے۔ نفس کے ساتھ جنگ یا معاشرتی برائیوں کے خلاف جنگ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے مضبوط ارادے، بڑی ہمت اور مسلسل تگ و دو کی ضرورت ہے۔ کمزور ارادے اور کم ہمت والے لوگ یہ جنگ کبھی نہیں جیت سکتے۔ تن آساں لوگ پہلے حملے میں ہی اپنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ اس تن آسانی نے کئی ذی صلاحیت افراد کو زندگی کی دوڑ میں ناکام بنادیا ہے۔

خرگوش کچھوے کی نسبت بہت تیز دوڑ سکتا ہے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ جب ان

دونوں کا مقابلہ ہوا تو کچھوا جیت گیا اور خرگوش ہار گیا۔ خرگوش جیتنے کی صلاحیت رکھتا تھا لیکن تن آسانی کی وجہ سے ہار گیا۔

بے عملی کا علاج ...... احساسِ جوابدہی

آج اللہ تعالیٰ اعمال کو خاموشی سے دیکھ رہا ہے۔ اچھے عمل کریں تو خاموش رہتا ہے۔ بُرے عمل کریں تو خاموش رہتا ہے۔ جابروں، ظالموں، رشوت خوروں اور حاسدوں کو خاموشی سے دیکھ رہا ہے۔ آج ہم بول رہے ہیں، وہ خاموشی سے سن رہا ہے۔ ایک دن وہ (رب) بولے گا اور جس دن وہ بولے گا سب خاموش ہو جائیں گے۔ وہ بڑے جلال سے پوچھے گا۔

لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ ...... بتاؤ آج کس کی بادشاہی ہے۔

(سورۃ المؤمن، آیت نمبر ۱٦)

اس دن ہمارے اعمال ہمیں دکھائے جائیں گے۔

یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّیُرَوْا اَعْمَالَھُمْ ☆ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ☆ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ☆

(سورۃ الزلزال، آیت نمبر ٦ تا ۸)

ترجمہ: اس روز پلٹ کر آئیں گے لوگ گروہ در گروہ تاکہ انہیں دیئے جائیں ان کے اعمال، پس جس نے ذرہ بھر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی اسے دیکھ لے گا۔

آج ہم نتائج سے بے پرواہ ہو کر اعمالِ بد سرانجام دے رہے ہیں۔ لیکن جب اعمال کا نتیجہ سامنے آئے گا تو کلیجہ پھٹ جائے گا۔ رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے، زبانیں گنگ ہو جائیں گی، آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی۔

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: حشر کے میدان میں ہر شخص سے پانچ سوال کئے جائیں گے۔ اور جب تک وہ ان پانچ سوالوں کے جواب نہ دے لے گا، مجال نہیں کہ وہ خدا کی عدالت سے قدم ہٹا سکے۔

۱............ اس نے اپنی زندگی کن کاموں میں لگائی۔

۲............ اپنی جوانی کو کن کاموں میں کھپایا۔

۳............ مال و دولت کن ذرائع سے حاصل کیا۔

۴............ مال و دولت کن کاموں میں خرچ کیا۔

۵............ جو علم تھا اس پر کہاں تک عمل کیا۔

(اے ستار و غفار! ہمیں ہمارے بُرے اعمال کے بُرے نتیجے سے بچا لے)

توفیق عمل

امور خیر میں اللہ تعالیٰ کی مدد کو "توفیق" کہتے ہیں۔ امور خیر میں وہ کام شامل ہیں جن کو کتاب و سنت اور اجماع مستحسن خیال کریں۔ مشائخ کہتے ہیں:

اَلتَّوْفِيْقُ هُوَ الْقُدْرَةُ عَلَى الطَّاعَةِ عِنْدَ الْإِسْتِعْمَالِ .

ترجمہ: توفیق یہ ہے کہ انسان بوقتِ عمل اپنے اندر قدرتِ اطاعت پائے۔

توفیق عمل حاصل کرنے کا طریقہ

۱...... انسان انتہائی عاجزی سے اپنے رب کریم کو پکارے "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ" کو اپنا وظیفہ بنائے۔

۲...... درود شریف اور لفظ "اللہ" کے ذکر سے دل کا زنگ دور ہوتا ہے۔ دل بھلائیوں کی طرف راغب ہوتا ہے اور نیکی کی توفیق مل جاتی ہے۔

۳......جو شخص نیک کام کی ابتداء کرتا ہے اسے مزید عمل کی توفیق مل جاتی ہے اور ایسا شوق مل جاتا ہے جس سے وہ کام آسان ہو جاتا ہے۔

توفیق سلب ہوجانے کا سبب

سورۃ زخرف کی آیت نمبر ۳۶ میں ارشاد فرمایا:

وَ مَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطٰنًا فَھُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ

(سورۃ الزخرف، آیت نمبر ۳۶)

ترجمہ: جو شخص دانستہ طور پر رحمان کے ذکر سے اندھا ہو جائے تو ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے۔

شیطان اس کو اس طرح گھیر لیتا ہے جس طرح انڈے کا خول انڈے کو گھیر لیتا ہے۔

گویا ذکرِ الٰہی چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہے کہ نیکی کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ

اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے

****

نشیب میں بھی نگاہیں اٹھان پر رکھنا
قدم زمین پر نظر آسمان پر رکھنا
دہکتی آگ سمجھتے ہو حرفِ حق کو اگر
تو پھر یہ آگ خوشی سے زبان پر رکھنا

"تواصی کا معنی ومفہوم"

سورۃ العصر کی آخری آیت میں لفظ "تَوَاصَوْا" دوبار آیا ہے۔اس کا مصدر "تَوَاصِی" ہے اور یہ وصیت سے بنا ہے جس کے معنی ہیں تاکید اور اصرار کے ساتھ کسی بات کی تلقین ونصیحت کرنا۔

علامہ راغب اصفہانی نے وصیت کا درج ذیل معنی لکھا ہے:

اَلْوَصِیَّۃُ..... اَلتَّقَدُّمُ اِلَی الْغَیْرِ بِمَا یَعْمَلُ بِہٖ مُقْتَرِنًا بِوَعْظٍ. وَمِنْ قَوْلِھِمْ اَرْضٌ وَاصِیَۃٌ مُتَّصِلَۃُ النَّبَاتِ.

(المفردات)

ترجمہ: وصیت کا معنی ہے کسی کو پند وموعظت سے کوئی کام کرنے پر ابھارنا، برانگیختہ کرنا اس لفظ میں یہ مفہوم بھی پایا جاتا ہے کہ نصیحت کا عمل مسلسل جاری رہے۔وہ زمین جس میں مسلسل کاشت ہوتی رہے اور فصلیں اگتی رہیں اسے ارض واصیۃ کہتے ہیں۔

(المفردات، صحاح، تاج العروس)

وصیت کی اہمیت و فضیلت

سورۃ العصر کے آخری حصہ میں "تَوَاصَوْا" کا لفظ دوبار استعمال ہوا ہے۔اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ قاری جب بار بار لفظ "تَوَاصَوْا" پڑھے تو اس کے ذہن میں وصیت کی اہمیت واضح ہو جائے۔

قرآن وحدیث میں جابجا دوسروں کو نصیحت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قرآن وحدیث کا ایک خاص موضوع ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا.

ترجمہ: اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔

(سورۃ التحریم، آیت نمبر ۲)

ایک حدیث پاک میں نصیحت کی اہمیت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

چند مسافر ایک کشتی میں سفر کر رہے ہیں، ایک مسافر اپنی جگہ سوراخ کرنا شروع کر دیتا ہے اگر دوسرے مسافر اسے نہ روکیں اور یہ خیال کریں کہ وہ شخص اپنی نشست گاہ پہ سوراخ کر رہا ہے۔ ہماری نشست گاہ پہ تو سوراخ نہیں کر رہا۔ لہٰذا ہمیں روکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو دوسرے مسافروں کی یہ چشم پوشی سب کو ہلاکت میں ڈال دے گی۔ کیونکہ جب کشتی میں پانی داخل ہوگا تو وہ صرف اس آدمی کو ہلاک نہیں کرے گا جس نے سوراخ کیا بلکہ وہ تمام مسافروں کو ڈبو دے گا۔

اگر چہ ہم خود نیک ہوں لیکن دوسروں کو برائی سے نہ روکیں تو ایک دن آئے گا کہ دوسروں کی برائی ہمیں بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

وعظ ونصیحت کرنے کی فضیلت

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلدَّالُ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ

یعنی نیکی کی طرف راہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے۔

مثلاً آپ کے کہنے پر کسی نے سچ بولنا شروع کر دیا۔ اب اس کے اس عمل کا ثواب اسے بھی ملے گا اور آپ کو بھی ملے گا۔ قیامت کے دن مبلغین وواعظین اور دوسروں کو بھلائی کی نصیحت کرنے والے لوگوں کے نامہ اعمال میں بے پناہ نیکیاں ہوں گی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہوگی کہ انہوں نے خود نیک اعمال کئے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہوگی کہ ان کی نصیحتیں سن کر دوسرے لوگوں نے نیک اعمال کئے ہوں گے لہٰذا دوسرے لوگوں کے نیک اعمال کا ثواب

بھی انہیں ملے گا۔ (حالانکہ دوسرے لوگوں کے نیک اعمال کے اجر میں ذرہ برابر کمی نہ کی جائے گی۔)

حضرت سلیم بن منصورؒ نے اپنے والد ماجد منصور بن عمان کو وصال کے بعد خواب میں دیکھا، پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے۔ منصور بن عمان نے جواب دیا، اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا ہے۔ حضرت سلیمؒ نے پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کو کس عمل کی وجہ سے بخشا ہے، منصور بن عمان نے جواب دیا، میرا کوئی عمل بخشش کا سبب نہیں بنا۔ نکیرین کے سوال وجواب کے بعد جب میری قبر کو دوزخ کا گڑھا بنایا جانے لگا تو اللہ تعالیٰ نے ندا دی کہ میرے اس بندے کو بخش دو اور اس کی قبر کو جنت کا باغ بنا دو۔ میں نے عرض کی

اے رب العالمین! میری بخشش کس سبب سے ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اے بے عمل بوڑھے، تو لوگوں کو وعظ کیا کرتا تھا، ایک دن تو لوگوں کو میری باتیں سنا رہا تھا، اور لوگ رو رہے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ وہ تھے جو پہلے بھی روتے رہتے تھے۔ اور آج بھی رو رہے تھے۔ لیکن ایک شخص ایسا تھا جو پہلے کبھی نہیں رویا تھا جب تیرا وعظ سن کر اس شخص کی آنکھوں میں آنسو آئے تو مجھے اس شخص پر بہت پیار آیا۔ اور میں نے اس کے آنسو قبول کر لئے۔ اس کے آنسوؤں کے صدقہ آج میں نے تجھے بخش دیا ہے۔ کیونکہ اس شخص کی آنکھوں میں آنسو تیرے وعظ سے آئے تھے۔ لہٰذا میں نے تجھے بخش دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:

اے رب ذوالجلال! جو شخص لوگوں کو تیری طرف بلاتا ہے، تو اس کو کیا صلہ دیتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص لوگوں کو میری طرف بلاتا ہے تو میں فرشتوں کو حکم دیتا ہوں کہ اس کی باتوں کو شمار کرو۔ اور اس کی ہر ایک بات کے بدلے میں ایک سال کی عبادت کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دو۔

جو شخص لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا کلام سناتا ہے اور اچھائی کی طرف بلاتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ دہلی کے بازار سے گزر رہے تھے۔ آپؒ نے دیکھا کہ ایک جگہ مجمع لگا ہوا ہے اور ایک شخص لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر رہا ہے۔ آپؒ بھی اس مجمع کے قریب تشریف لے گئے۔ یہ سن کر آپ کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ وہ شخص لوگوں کو حاجی امداد اللہ صاحب کی لکھی ہوئی نعت سنا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد حاجی صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ دل میں سوچ رہے تھے کہ یہ شخص لوگوں کو میرا کلام سنا رہا ہے تو میں خوش ہو رہا ہوں جب میں لوگوں کو رب کے احکام سناتا ہوں تو رب مجھ پر کتنا خوش ہوتا ہوگا۔

نصیحت کرنے کے چند آداب

ہم عموماً نصیحت کرنے کے آداب پیشِ نظر نہیں رکھتے جس وجہ سے ہماری نصیحت کارگر نہیں ہوتی۔ آئندہ سطور میں نصیحت کرنے کے چند آداب لکھے گئے ہیں۔

۱...... انسان پہلے خود عمل کرے پھر دوسروں کو نصیحت کرے۔

۲...... جس شخص کو نصیحت کرنی ہے اس کے ماحول اور ذہنی سطح کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے، بچوں کو اس طرح نصیحت نہ کی جائے جس طرح جوانوں کو کی جاتی ہے۔ جاہلوں کو اس طرح نصیحت نہ کی جائے جس طرح اہلِ علم کو کی جاتی ہے۔

۳...... حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے نصیحت کرنی چاہیے:

حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں ایک ایسا سیّد زادہ آیا، جس کی مونچھیں بڑی اور داڑھی چھوٹی تھی، اور وہ سیّد زادہ سرکاری ملازم بھی تھا، حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر کسی اعلیٰ افسر کی چٹھی آپ کی طرف آئے۔ اور اس چٹھی میں آپ کے لئے کوئی حکم لکھا گیا ہو تو وہ چٹھی پڑھ کر آپ اس ڈاکیے سے ناراض تو نہیں ہوں گے جو چٹھی لے کر آیا ہے۔

اس سیّدزادے نے جواب دیا، ڈاکیے کا تو کوئی قصور نہیں لہٰذا میں اس سے ناراض نہیں ہوں گا۔ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: میں ایک ڈاکیا ہوں اور میرے پاس آپ کے نانا جان ﷺ کی طرف سے آپ کے نام ایک چٹھی ہے اور اس چٹھی میں لکھا ہے۔ "داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں گھٹاؤ"

نصیحت کے اس انداز نے اتنا اثر کیا کہ اس سیّدزادے نے نصیحت پر عمل کیا۔

۴...... زبان سے نصیحت کرنے کی بجائے اخلاق سے نصیحت کی جائے:

حضرت بایزید بسطامیؒ کا پڑوسی مجوسی تھا۔ ایک شام اس کا بچہ رو رہا تھا اور گھر میں روشنی کے لئے چراغ نہ تھا۔ حضرت بایزید بسطامیؒ اپنا چراغ اس مجوسی کے گھر رکھ آئے۔ جب گھر میں روشنی ہوئی تو بچے کی گھبراہٹ دور ہوگئی۔ اس نے رونا بند کر دیا۔

وہ مجوسی حضرت بایزید بسطامیؒ کے اخلاق سے بہت متاثر ہوا اور اپنی بیوی سے کہنے لگا۔ دیکھو! کس طرح اسلام کا چراغ ہمارے گھر آ گیا ہے۔ اس چراغ کی روشنی نے ہمارا گھر روشن کیا ہے اور بایزیدؒ کے اخلاق نے ہمارا سینہ روشن کر دیا ہے۔ وہ مجوسی اور اس کی بیوی دونوں مسلمان ہو گئے۔

نصیحت سننے کے آداب

کسی دانشور نے کیا خوب کہا ہے:

دنیا میں سب سے آسان کام دوسروں کو نصیحت کرنا ہے اور سب سے مشکل کام دوسروں کی نصیحت پر عمل کرنا ہے۔

آج ہماری حالت یہ ہو چکی ہے کہ عمل کرنا تو بہت دور کی بات ہے ہم نصیحت سننے کے لئے تیار نہیں۔ اگر کوئی شخص نصیحت کرنے لگے تو ہم اس سے الجھ پڑتے ہیں:

ناصحا مت کر نصیحت دل میرا گھبرائے ہے
اس کو دشمن جانتا ہوں جو مجھے سمجھائے ہے

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

اگر آپ کی قمیض کے نیچے کیڑا ہو۔ اور کوئی شخص بتائے کہ آپ کی قمیض کے نیچے کیڑا ہے۔ اسے نکال لیں۔ اب اس شخص کی نصیحت سن کر آپ اس سے لڑیں گے یا اس کا شکریہ ادا کریں گے؟ یقیناً شکریہ ادا کریں گے کیونکہ اگر آپ اپنی قمیض کے نیچے سے کیڑا نہیں نکالتے تو وہ کیڑا آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔

لہٰذا ناصح کی نصیحت سے آپ کو فائدہ ہوا نہ کہ ناصح کو

حق کا معنی ومفہوم

سورۃ العصر میں فلاح دارین پانے والے لوگوں کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو "حق" کی نصیحت کرتے ہیں۔ حق اصل میں موجود اور قائم کو کہتے ہیں۔ استعمال کے لحاظ سے اس کے بہت سے معانی ہیں۔ تین معنوں میں عام استعمال ہوتا ہے۔

۱......حق کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو واقعی ہو (یعنی محض خیالی اور وہمی نہ ہو)

۲............وہ بات جو عقل کے نزدیک مسلّم ہو۔

۳............وہ بات جو اخلاقاً فرض ہو۔

قرآن مجید میں لفظ "حق" کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ حق بمعنی سچ، ٹھیک، برحق مبنی برانصاف، حقیقت کے مطابق کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ متعدد جگہ یہ باطل کے مقابلے پر آیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ.

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۴۲)

ترجمہ: باطل کا رنگ چڑھا کر رنگ کو مشتبہ نہ بناؤ۔ اور جانتے ہوئے بھی حق کو چھپانے کی کوشش نہ کرو۔

☆......قرآن مجید میں لفظِ حق اللہ تعالیٰ کے اسم پاک کے طور پر بھی استعمال ہوا ہے۔ارشاد فرمایا:

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَالْبَاطِلُ.

ترجمہ: یہ اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہ سب باطل ہیں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں اور اللہ بزرگ و برتر ہے۔

(سورۃ الحج،آیت نمبر ۶۲)

☆......نبی کریم ﷺ کے لئے بھی حق کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَ مَا يُعِيْدُ.

ترجمہ:حق آ گیا ہے باطل پہل نہ کرے گا اور نہ دوبارہ آئے گا۔

(سورۃ السبا،آیت نمبر ۴۹)

تفسیر نور العرفان میں ہے کہ اس آیت میں حق سے مراد قرآن مجید بھی ہے اور اسلام بھی ہے لیکن سب سے بہتر یہ ہے کہ یہاں حق سے ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کو مراد لیا جائے۔

☆......لفظ حق قرآن مجید کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔

سورۃ محمد کی آیت نمبر ۲ میں ارشاد فرمایا:

وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ.

ترجمہ:اور وہ ایمان لائے اس پر جو نازل کیا گیا ہے۔(حضرت) محمد ﷺ پر اور وہی ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔

☆......لفظ حق دینِ اسلام کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ .

ترجمہ:وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ۔

(سورۃ الفتح ،آیت نمبر ۲۸)

☆......لفظ حق قیامت کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ قیامت کے ناموں میں ایک الحاقۃ ہے جو حق سے مبالغے کا صیغہ ہے۔

اَلْحَآقَّةُ ☆مَاالْحَآقَّةُ ☆وَ مَآ اَدْرٰکَ مَا الْحَآقَّةُ☆

(سورۃ الحاقۃ، آیت ۱ تا ۳)

سورۃ النبا میں ارشاد فرمایا ذٰلِکَ الْیَوْمُ الْحَقُّ ...... الخ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبر

صبر کا معنی ہے تکلیف پہنچنے پر شکایت نہ کرنا، ڈٹ جانا، روکنا، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اول تو خود حق پر قائم رہنے کے لئے صبر کی ضرورت ہے کیونکہ نفس کی مخالفت میں صبر کرنا پڑتا ہے۔ تب انسان حق پر قائم رہ سکتا ہے۔ اسی طرح دوسروں کو حق کی نصیحت کرنے کے لئے بھی صبر کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے نصیحت سننے والا آپ سے الجھ جائے یا آپ کو گالی دے۔ اس وقت صبر کی ضرورت ہے۔

صبر کی فضیلت

پہلی فضیلت

معیّت الٰہی

صبر کرنے سے اللہ تعالٰی کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد فرمایا:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰابِرِیْنَ.

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۱۵۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

دوسری فضیلت

نصرتِ الٰہی

صبر کرنے سے اللہ تعالٰی کی مدد شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ ارشاد فرمایا:

بَلٰی اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا یَاْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُسَوِّمِیْنَ.

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۱۲۵)

ترجمہ: بے شک اگر تم صبر کرو اور خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرو تو جس آن دشمن تمہارے اوپر چڑھ کر آئیں اسی آن تمہارا رب پانچ ہزار صاحب نشان فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔

تیسری فضیلت

صبر سے کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے

اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ.

(سورۃ الانفال، آیت نمبر ۶۵)

ترجمہ: اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے۔

یعنی صبر کرنے والے بیس آدمیوں کی کارکردگی دوسو بے صبروں سے بہتر ہے۔

چوتھی فضیلت

صبر لوگوں کے شر سے بچاؤ کا ذریعہ ہے

اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُهُمْ شَیْئًا.

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۱۲۰)

ترجمہ: اگر صبر کرو اور تقویٰ اپناؤ تو ان (دشمنوں) کی کوئی تدبیر تمہارے خلاف کارگر نہیں ہو سکتی۔

پانچویں فضیلت

صبر کھرے اور کھوٹے کی کسوٹی ہے

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ.

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۱۴۲)

ترجمہ: کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہی نہیں کہ تم میں کون لوگ ہیں اس کی راہ میں جہاد کرنے والے اور کون صبر کرنیوالے ہیں۔

چھٹی فضیلت

صابر کا اجر بے شمار ہے

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ.

(سورۃ الزمر، آیت نمبر ۱۰)

ترجمہ: صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

ساتویں فضیلت

صبر جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

(حدیث پاک)

آٹھویں فضیلت

جو نابینا ہو جانے پر صبر کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی آنکھوں کو ایسا نور دے گا جس سے وہ شخص اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا۔

(حدیث پاک)

ناویں فضیلت

امام جعفر صادق نے فرمایا:

اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِیْمَانِ کَالرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ.

صبر کا ایمان کے ساتھ وہی تعلق ہے جو سر کا جسم کے ساتھ ہے۔

دسویں فضیلت

حضرت بایزید بسطامی پر مصیبت آتی تو فرماتے:

اے اللہ! روٹی دی ہے تو سالن بھی عطا فرما تب کھانا کھانے کا لطف آئے گا۔

لوگ آپ سے پوچھتے، روٹی کیا ہے اور سالن کیا ہے؟؟؟

آپ جواباً فرماتے۔۔ مصیبت روٹی اور صبر سالن ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆


صلوٰۃ النبی
عقیدہ حیات مسیح اور فتنہ مرزائیت
اسلام میں تصور شفاعت
جمال کرم
دو صحابہ میں ایصال ثواب کی مختلف صورتیں
ذات مصطفیٰ کا وسیلہ شرک نہیں
سچی نماز
سماجی بہبود
تعلیمات نبوی کی روشنی میں
ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس
شاہکار اطاعت
حضرت سیدنا بلال
اللہ